غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

داستانِ حرم

از
ابو شوکت صفدر سلیمی

ناشر
قومی کتب خانہ ۔ ریلوے روڈ ۔ لاہور

۸۴۰۶
اشاعت اوّل ــــــ ۲۰۰۰

سنہ ۱۹۵۲ء

قیمت مجلّد ۲/۸ روپے

شیخ محمد نصیر ہمایوں پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور سے شائع کیا۔

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی

اقبالؒ

۱۷۱

۱۷۴

۱۷۵

۱۸۹

۱۸۴

۱۸۶

فہرست

ایران

ولولوں کی

اسلام کا رخ بدلا ہو گئیں۔ اُس کے

ن ہو گیا۔ وہ ہر محاذ پر شکست خوردہ

...اللہ ایسی گری کہ پھر کھڑی نہ ہو سکی۔

اسباب حریت کی تو پر دل کے سامنے ایران

خلافتِ فاروق رض پر طائرانہ نظر ... پڑ گئے تھے، اُس کے عالم آرا ولولوں کی

خلافتِ عثمانی کے گوشوں میں گہری نیند سو گئیں۔ اُس کے

حضرت عثمان رض کا انتخاب ... ت کا گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ وہ ہر محاذ پر شکست خوردہ

شمالی افریقہ کی تسخیر ... کر گرنی اللہ ایسی گری کہ پھر کھڑی نہ ہو سکی۔

امیرِ معاویہ کا دور

"داستانِ حرم" کی زیرِ نظر ترتیب اسلامیانِ قرنِ اوّل کی قلندرانہ اداؤں اور سکندرانہ جمال کا ایک دُھندلا سا نقش ہے۔ اور یہ شاہد ہے اُس جہانگیر اور جہاں آرا قوم کی عظمتِ کردار کا جو سوادِ حرم سے رحمت کی گھٹا بن کر اُٹھی بجلیاں بن کر چمکی۔ جھوم جھوم کر برسی اور ساری دُنیا کو نہال کر گئی۔ ستاروں کی محفلوں میں اس قوم کی فتحیابیوں کے گیت گائے جاتے رہے، اور فرشتوں کی انجمن اس کی عالم آرائیوں پر تحسین و آفرین کے پھول برساتی رہی ‌‌۔

• • • • • • •

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس آفتابِ حریت کی تنویروں کے سامنے ایران و روما کی عظمت کے چراغ ماند پڑ گئے تھے، اُس کے عالم آرا ولولوں کی ضو فشانیاں جمود و سکوت کے گوشوں میں گہری نیند سو گئیں۔ اُس کے سکوں سوز عزائم پر موت کا گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ وہ ہر محاذ پر شکست خوردہ اور زوال سے چُور چُور ہو کر گری اور ایسی گری کہ پھر کھڑی نہ ہو سکی ۔

• • • • • •

"داستانِ حرم" کی اس ترتیب میں واقعات سے انصاف کرنا ایک تلخ ترین فرض تھا۔ مجھے اس راہ میں ذاتی عقیدت کے کئی مقدس رشتوں پر تنقید کا نشتر چلانا پڑا لیکن مطمئن ہوں کہ فرض اور انصاف کی اہمیت مذکورہ رشتوں کے تقدس پر قربان نہیں ہوئی۔

. . . .

"داستانِ حرم" کے یہ پریشاں اوراقِ قلم کا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ نہیں لیکن ان الفاظ کے جھروکوں میں ماضی کے حیات آفریں کارناموں کی جھلک ضرور نظر آئیگی۔ قوم کے جواں سال اور گرمجوش عناصر کا اپنے ماضی سے تعارف اس قدر اہم ہے کہ پوری قوم میں حرکت اور عمل کی بجلیاں دوڑا سکتا ہے۔ ع

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو

. . . .

ماضی کی سکوں سوز یاد قادسیہ اور یرموک کے میدانوں میں دبی ہوئی راکھ سے جوشِ جہاد کے شعلے بھڑکا سکتی ہے۔ اور عجیب نہیں کہ ان بھڑکتے ہوئے شعلوں سے کوئی خالدؓ تلوار کی دھار پر طوفانوں، بجلیوں اور زلزلوں کے لشکر لئے نمودار ہو۔ ؎

نہیں ہے ناامید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

ابوشوکت صفدر سلیمی

نور محل
۱۴ مئی سنہ ۱۹۵۲ء

چل اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے
وہ محفل اُٹھ گئی جس دم، تو مجھ تک دورِ جام آیا

اقبالؔ
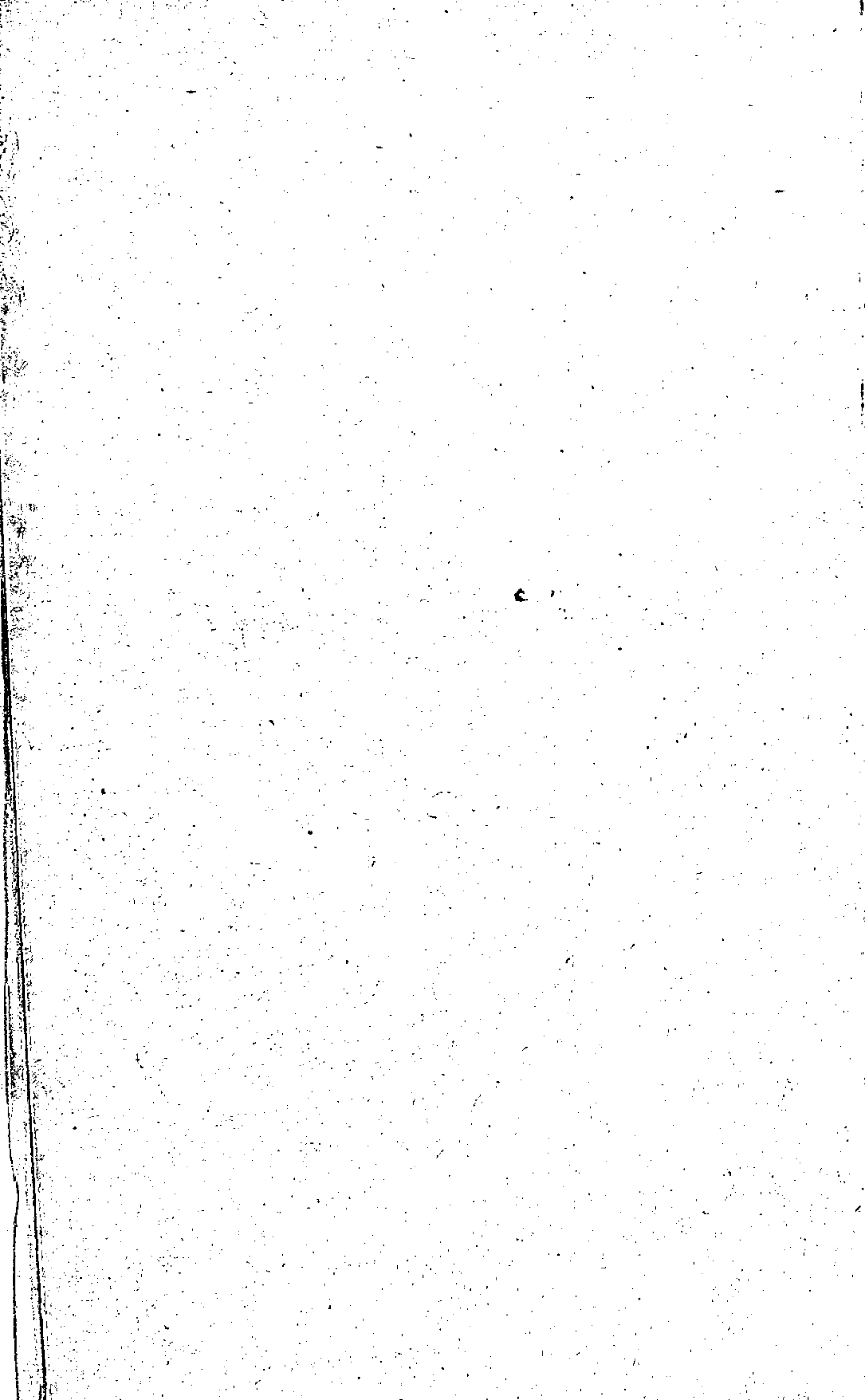
تاریخِ انسانی کی صبحِ اوّل

تحسین و تبریک کے ہزاروں ہزار نذرانے اُس ساعتِ سعید کے دامن سے وابستہ ہیں، جو فاطرِ حقیقی کی حسین ترین آرزو کو حضرت آدمؑ کی تشکیل میں منصّۂ شہود پر لے آئی۔ کاتبِ ازل نے تقدیرِ حیات کا انقلاب آفریں ورق اُلٹا، اور اس کے ساتھ ہی تاریخ کی ایک ہنگامہ خیز صبح کا طلوع ہُوا۔

ملائکۂ آسمانی کسی بڑے حکم کے انتظار میں قطار در قطار کھڑے تھے۔ خالقِ کائنات کی بارگاہِ اجلال سے حکم صادر ہوا۔ ارشادِ ربّانی کی تعمیل آناً فاناً ہوئی۔ کروڑوں فرشتے روحِ آدمؑ کے استقبال میں سجدہ ریز ہو گئے لیکن عزازیل۔ اپنے بے پناہ جذبۂ عبادت کے باوجود فرشتوں کا یہ سردار اطاعتِ حکم سے انکار کرتا ہے۔ آدمِ خاکی کے حضور میں پیکرِ نار کی جبیں فرسائی وہ اپنی توہین سمجھتا ہے۔ احکم الحاکمین کے حکم سے یہ پہلی بغاوت تھی جو خدائے جبّار و قہار کی بارگاہ میں ناقابلِ برداشت گستاخی قرار پاتی ہے۔ معلم الملکوت عزازیل آنِ واحد میں ابلیسِ لعین بن جاتا ہے۔ تمام مناصب اور امتیازات چھین جاتے ہیں

اور اسفل السافلین کا ذلیل ترین مقام اُس کے حصے آتا ہے ۔

ابلیس کی آدم دشمنی کا یہ روزِ اوّل تھا۔ اُس نے آدم دشمنی کے اس جوش میں نت نئی فتنہ و فساد کی راہیں اولادِ آدم کے لئے کھولیں۔ آدم کی اولاد شیطنت کی ان دلفریب راہوں میں بار بار مبتلائے فریب ہوئی۔ لیکن خالقِ کائنات آدم کو مقررہ نقطۂ عروج تک پہنچانے کے لئے بار بار رشد و ہدایت کی شمع ابلیس ان راہوں میں روشن کرتا رہا۔ نبوت اور رسالت کے علمبردار نسلِ آدم سے بار بار اُٹھے اور اپنا فرض ادا کر کے رخصت ہو گئے ۔

آدم و ابلیس کی کشمکش دوام کا یہ سلسلہ دراز دن رات جاری ہے کروڑ برس گزر جانے کے باوجود جاری ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب تک جاری رہے

ستارۂ صبح کی نمود

بزمِ گیتی میں آدم و ابلیس کی کشمکش کا آغاز ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ ہزار در ہزار بار تاروں بھری رات آئی۔ ہزار در ہزار بار آفتاب و ماہتاب کا طلوع و غروب ہوا۔ ہزار در ہزار بار بہاریں خزاؤں میں تبدیل ہوئیں۔ فتنہ و فساد کے لاکھوں اور کروڑوں طوفان آئے۔ قتل و غارت کی تند و تیز آندھیاں شب و روز اُٹھیں۔ خطرناک محاربوں اور مقاتلوں سے نظامِ عالم بار بار تہ و بالا ہوا۔ سمندروں کی گہرائیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک آتش و خون کے تھپیڑے پہنچے ۔

ہابیل کے ہاتھوں قابیل کا قتل فتنہ انگیز کارفرمائی کا آغاز تھا، اور اُس کے بعد ہر صبح نئے فتنوں کا سامان لاتی رہی۔ لاکھوں برس گزر گئے، اور

آخر ایک دن

اس تاریک رات میں صبح کا ستارہ مسکرایا۔ ملّت حنیفیت کے علمبردارِ اوّل، اور اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے توحید کا زندگی بخش پرچم فضائے عالم میں لہرایا، اور پرچم توحید کی اڑانیں مظلوم دنیا کو روحانیت کے کیف سے سرشار کرنے لگیں ؎

چار ہزار برس پہلے

بابل کی عظیم الشان سلطنت دولت و قوت کے اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اقوام عالم کے پرچم، بابل کی عظمت اور ہیبت کے سامنے سرنگوں تھے۔ عظمت و اقتدار کی یہ بلندی بابل کے شہنشاہ نمرود کو مغرور بنانے کے لئے کافی تھی۔ نشہ پندار کی اس بدمستی میں اُس نے اَنَا وَلَا غَیْرِی کا ڈنکہ بجایا۔ اور بے بس رعایا مجبور کر دی گئی کہ خدائے ذوالجلال لایزال کے آستانۂ عظمت سے منہ موڑ کر نمرود کی بارگاہِ ناپائدار میں عبودیت کے سجدے پیش کرے ؎

خدائے دوجہاں کی خدائی میں خاک کے ایک پُتلے نے اپنی خدائی کا عَلَم بلند کر دیا۔ بابل کے معبدِ اعظم میں سینکڑوں بُتوں کے ساتھ سونے کے ایک

نئے بُت کا اضافہ ہو گیا۔ یہ بُت نمرود کا اپنا بُت تھا۔ اور لاکھوں انسان جن کے دلوں پر انہی جیسے ایک بندۂ خاکی نے جبر و ظلم اور خوف و ہراس کے پہرے بٹھا دیئے تھے، اُسے اپنا خدا تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

نمرود شب و روز اپنی رعایا سے عجز و نیاز کے نذرانے وصول کر رہا تھا کہ اُسی مجبور رعایا میں سے ابراہیمؑ دینِ خدا کا علمبردار بن کر اُٹھا۔ اور اُس کی پیغمبرانہ صدائیں نمرود کی جھوٹی خدائی کے لئے ایک حقارت آمیز چیلنج بن کر ارضِ بابل میں گونجنے لگیں۔

بابل کے معبدِ اعظم کے بُت آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگے۔ خدا کے بندوں کے کانوں سے خدائے لم یزل اور معبودِ حقیقی کا پیغام ٹکرانے لگا۔ جھوٹے اور خود ساختہ خدا کی بادشاہت میں زلزلہ آ گیا۔ وہ آتشِ انتقام سے دیوانہ ہو گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو آگ کے سپرد کر دیا جائے۔ لیکن ابراہیمؑ کے رحیم و کریم خدا کی رحمت ابراہیمؑ کی مدد کے لئے والہانہ بڑھی۔ بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ گئے لیکن نمرود اور اُس کے درباریوں کی آتشِ غضب میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اللہ کا خلیل گھر بار اور وطنِ مالوف چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ اُس نے سرزمین مصر کو اپنے لئے گوشۂ امن و اطمینان پایا۔ اُس نے بابل کے در و دیوار پر ایک نظر ڈالی اور زندگی کے نئے امتحانوں سے گزرنے کے لئے وہ مصر کو روانہ ہو گیا۔ پیاری بیوی سارہؑ اور برادر زادہ لوطؑ بن فاران اُس کے شریکِ سفر تھے۔ اور خدا کا نام بلند کرنے کے جرم میں دنیا کا ایک مقدس پیغمبر جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کر رہا تھا۔

شہنشاہِ مصر رقیون، فرعون کا لقب اختیار کر کے سریر آرائے سلطنت

ہوا تھا۔ لیکن ابراہیم کو دیکھ کر پیغمبرانہ عظمت کے نشان جلد ہی اُسے متاثر کر گئے
اس نے اپنی دختر عزیزہ ہاجرہ کو پیغمبر خدا کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب ابراہیم
مصر سے رخصت ہوئے، تو فرعونِ مصر کی دختر فرخندہ اختر اُن کی زوجیت میں تھی

ریگ زارِ عرب میں رشد و ہدایت کا سرچشمہ

عرب کے ریگ زار سورج کی آتش فشانیوں سے دوزخ کے میدان بن
رہے ہیں۔ میلوں تک انسان اور پانی کا نام و نشان نہیں۔ چاروں طرف
ویرانیوں کے وحشت ناک ڈیرے ہیں۔ اسی عرب کی ایک سنسان اور بے آب
و گیاہ وادی میں کسی ماں کا معصوم لال پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں
رگڑ رہا ہے۔ مصیبت زدہ اور غریب الوطن ماں پانی کی تلاش میں قریب کی
پہاڑیوں پر دیوانہ وار دوڑ رہی ہے +

کون جانتا ہے کہ ماں اور بچے کی یہ حسرتناک مصیبت اور غریب الوطنی
تاریخ انسانی کے مقدس ترین اور بے مثال انقلابات کا پہلا قدم بن رہی ہے
اور کسے معلوم کہ یہ ماں فرعونِ مصر کی پیاری بیٹی ہاجرہ اور اُس کا معصوم لال
اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ کا وہ خوش نصیب فرزند ہے۔ جس کے ہاتھوں
اسی مقام پر بیت اللہ کی تعمیر ہوگی۔ جس کی نسل سے سرورِ کائناتؐ اور فخرِ موجوداتؐ
کا ظہور ہوگا۔ اور جس کا نام آتے ہی آنے والی [illegible] اپنی گردنیں فرطِ عقیدت و
احترام سے جھکا لیا کریں گی +

ہاں ـــ ماں پانی کی تلاش میں سرگرداں ہے، اور دوسری طرف بچے کی ایڑیوں کی رگڑ سے آبِ زمزم کے فوارے اُسی سنگلاخ زمین سے پھوٹ پڑے ہیں۔ ماں مایوس لوٹتی ہے لیکن رحمتِ خداوندی کی اس نیرنگی کو دیکھ کر نہال ہو جاتی ہے۔

چشمۂ آبِ زمزم کے کنارے صحرانوردوں کے خیمے مکہ کی بستی کی صورت اختیار کرتے گئے، اور کئی برس بعد جب اللہ کا خلیل بیوی اور بچے کو دیکھنے کے لئے وہاں پہنچا، تو سنسان وادی ایک پُررونق آبادی کا منظر پیش کر رہی تھی جسے آبِ زمزم کے ٹھنڈے اور شیریں پانی نے مالامال کر دیا تھا۔

اور چند دن بعد خدا کے دو ممتاز پیغمبر
ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اسی چشمے کے کنارے بیت اللہ کی دیواریں کھڑی کر رہے تھے

پیغمبر کا خواب

وادیٔ بطحا میں شدتِ پیاس سے ایڑیاں رگڑنے والا اسمٰعیلؑ بڑھتے بڑھتے وادیٔ شباب میں داخل ہو گیا۔ اُس نے اپنے بزرگ باپ کی معیت میں اُس گھر کی تعمیر کی، جو دُنیا میں خدا کا پہلا گھر قرار پایا۔ جہاں سے رُشد و ہدایت کے چشموں کا پھوٹنا مقصود تھا۔ جہاں انسانیت کے ممتاز ترین پیکر کا نغمۂ توحید فضاؤں میں گونجنا تھا۔

خانۂ خدا کی تعمیر تکمیل پا چکی تھی۔ کہ ایک رات حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لختِ جگر اسمٰعیلؑ کو عالمِ خواب میں ذبح ہوتے دیکھا۔ مسلسل تین راتیں یہ خواب اُن کے سامنے لاتی رہیں۔ اور تیسرے دن حضرت ابراہیمؑ نے خواب کو منشائے ایزدی قرار دیتے ہوئے اسے بروئے عمل لانے کا فیصلہ کر لیا۔

اُنہوں نے اسمٰعیلؑ پر خواب کی حقیقت واضح کی۔ اسمٰعیلؑ کی فطرت اطاعت کے سانچوں میں ڈھلی تھی، اور وہ خوشی خوشی منشائے خداوندی پر قربان ہونے کو تیار ہو گیا۔ باپ بیٹے کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلا۔ بیٹے کو رسّی کے ساتھ جکڑا اور ابلیس کے مقابلے میں تسلیم و رضا کا وہ بے مثال کھیل کھیلا جسے آسمان کی نگاہوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور جس پر ملائکۂ آسمانی فرطِ حیرت میں گم ہوئے جا رہے تھے۔

بوڑھے باپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ اُس کی چھری اسمٰعیلؑ کی گردن پر چل رہی تھی۔ باپ اپنی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور خدا کی راہ میں بیدریغ لٹایا جا رہا تھا۔ لیکن چھری نے گلشنِ ابراہیمی کی مسکراتی ہوئی بہار کو لوٹنے سے اظہارِ عجز کر دیا۔ وہ اسمٰعیلؑ کا بال بیکا نہ کر سکی۔ آسمانوں پر تحسین آفرین کے نعرے بلند ہوئے۔ اور آواز آئی کہ:

"ابراہیمؑ! تُو نے اپنے خواب کی عملی تصدیق کر دی!"

آخری نبی کا میلاد

اسمٰعیلؑ کی نسل بڑھتے بڑھتے سارے عرب میں پھیلنے لگی۔ عدنان
زمانہ آیا۔ اور آلِ اسمٰعیلؑ کے خیموں کی قطاریں مُلک کے کونے کونے تک وُ
اختیار کر گئیں۔ تیسری صدی عیسوی کا آغاز تھا۔ جب کہ بنی جرہم نے او
اسمٰعیلؑ کو سرزمینِ مکّہ سے نکال باہر کیا۔ لیکن پانچویں صدی میں بنی ا
از سرِ نو اپنا تسلّط جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ اُن کے صاحبِ تدبیر
قصّی نے ایک مشترکہ حکومت کی تنظیم و تشکیل کی، اور اُس کے حُسنِ تدبر
نتیجہ تھا کہ "دارُالندوہ" کے نام سے ایک قومی مجلس کا قیام عمل میں لایا گیا
مجلس کا دائرۂ عمل مختلف محکموں میں تقسیم ہوا: افادہ، سقایہ، حجابہ اور
کے نام سے چار مختلف محکمے اپنا کام خوش اسلوبی سے سنبھالنے لگے۔ قصّی
بعد عبدالمناف، ہاشم، عبدالمطلب اور ابوطالب یکے بعد دیگرے قومی
پر فائز ہوتے رہے۔

اور آخر اُس روزِ سعید کا طلوع ہُوا جس کے مُسکراتے ہوئے آفتاب
پہلی کرن نے عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر کو پیغمبرِ آخر الزّماںؐ کے
کا شرف عطا کیا ۔ خلیل اللہؑ کی دعائیں اور مسیحؑ کی نوید حاصلِ تکمیل
پہنچی۔ اور سرورِ کائناتؐ کی پیدائش نے حضرت آمنہ کے اُجڑے ہوئے گ
شرف و امتیاز کا بلند ترین مقام بخش دیا۔

۲۲ر اپریل ۵۷۱ء کی بہار آفریں صبح تھی، جبکہ اسلام کے علمبردا

ے محمد مصطفٰےؐ اور احمد مجتبٰےؐ کے مبارک نام سے حضرت آمنہ کی آغوش لطف
ہا، میں پہلی دفعہ آنکھ کھولی۔ یہ دُنیا کے اُس ممتاز ترین انسان کا میلاد تھا
ں نے زمین و آسمان کے نقشے بدل ڈالے اور جس کی نگاہ رحمت آفریں
نے اُجڑی ہوئی دُنیا کو زندگی بخش بہاروں سے مالا مال کر دیا۔

مصائب و مشکلات کے پہاڑ

دُنیا کا آخری نبیؐ زندگی کے پہلے سانس کے ساتھ ہی ابتلاء و آزمائش
کے صبر آزما اور ہوشربا طوفانوں میں گھر جاتا ہے۔ لیکن وُہ پوری زندگی میں ایک
لمحہ کے لئے بھی ہراساں نہیں ہوتا۔ زمانے نے خطرناک سے خطرناک حالات میں
بھی اُس کے چہرے کو رحمت بھری مسکراہٹوں سے مالا مال پایا۔ پتھروں کی
بارش میں لہولہان ہو کر بھی دشمنوں کو دُعائے نیک دعاؤں سے یاد کرتا رہا۔

ہاں! وہ رحمۃ للعالمین تھا۔ ابتلاء و آزمائش کے خارستانوں کا کوئی کانٹا
نہ تھا جو اُس کے مقدس پاؤں میں نہیں چبھا۔ کفر و ضلالت کے ترکش کا
کوئی تیر نہ تھا جس نے اُس پاک نبیؐ کے پاکیزہ جسم کو چھلنی کرنے کے ارمان
پورے نہیں کئے۔ لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تلخیوں کے کڑوے گھونٹ نوش جان
کر کے بھی مسکراتا رہا۔ کانٹوں کے جواب میں اُس نے زمانے کا دامن رحمت
کے پھولوں سے بھر دیا۔ تیروں کے جواب میں وہ سحاب کرم بن کر آتا۔ اور
ہدایت و صداقت کی موسلا دھار بارشوں سے اُمید کی سوکھی ہوئی کھیتیوں

کو نہال کرتا رہا۔

شفیق باپ کا سایۂ شفقت اُس کے دُنیا میں آنکھ کھولنے سے پہلے ہمیشہ کے لئے دُنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ مُوت کے بے رحم ہاتھوں نے ماں کی مامتا بھی چار پانچ برس کی عمر میں بے دردی سے اُٹھا لی۔ مہربان دادا حضرت عبد المطلب کا سہارا یتیمی کی اُمید بنا۔ لیکن زندگی نے ابھی آٹھ منزلیں طے نہیں کی تھی، کہ اس بزرگ اور باثر شخصیت کی مُوت بھی خزاں کا پیغام بن گئی۔

حضرت عبد المطلب نے اس گوہر بے بہا کو مرتے وقت ابوطالب کے سپُرد کر دیا تھا۔ ابوطالب ایک شفیق اور مہربان چچا ثابت ہوئے، اور آقائے رسالت مآبؐ کی زندگی اس حقیقت کی شاہد رہے گی، کہ آخری سانس تک وہ ایک مضبوط سہارا بنے رہے۔ اُنہوں نے اپنے محبوب بھتیجے کی خاطر نہ صرف قریش بلکہ پورے عرب اور ساری دنیا کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وہ خطرناک مشکلات سے دوچار ہوتے رہے۔ لیکن اپنے مرحوم بھائی کے سعادتمند اور بلند اقبال بچے کی سرپرستی سے الگ نہ ہوئے۔

نبوّت کے امتیازی نشانات کا ظہور

عرب کے دُرِ یتیم کی قسمت میں دینِ فطرت کا علمبردار اعظم بنا لکھا تھا۔ اُسے تاریخ عالم کی غالب ترین جہانگیر، جہاں باں اور جہاں آرا اُمت کا بانی

ہونا مقصود تھا۔ ایک یتیم بچہ تھا اور حلیمہ سعدیہ جیسی مفلوک الحال دایہ کی آغوش عاطفت میں پرورش پا رہا تھا۔ قدرت اُس کی جہانگیریوں اور فتحمندیوں کے آنے والے بے مثال دور کے تصور سے مسکرا رہی تھی۔ اور عالم طفولیت میں ہی فطرت کی انتخابی نگاہیں اس پر مرکوز ہو چکی تھیں۔

وہ حلیمہ سعدیہ کی نحیف و نزار اونٹنی پر سوار ہوتا ہے، اور اونٹنی زندگی کے نئے خون سے مالا مال ہو کر حیران کن تیزی سے اپنی منزلیں طے کرنے لگتی ہے۔ وہ اپنی دایہ کے گھر پہنچتا ہے، اور گھر والے حیران ہو ہو کر دیکھتے ہیں، کہ بکریوں اور بھیڑوں کے دودھ میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔

عرب کے دُرِ یتیم کی زندگی میں مافوق الفطرت اور امتیازی نشانات کا ظہور شروع ہو جاتا ہے۔ حلیمہ سعدیہ کے بچے اُس کی معیت میں بھیڑیں بکریاں چراتے ہیں۔ اور ایک دن دیکھتے ہیں، کہ ایک شخص اُسے اُٹھا کر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ پہاڑی کی دوسری جانب اُسے فرش زمین پر لٹا کر اُس کا سینہ چاک کرتا ہے۔ اُسے آب زلال سے پاک و صاف کرتا ہے، اور پھر اُسی طرح سب کچھ درست اور محفوظ کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔

بارہ برس کی عمر میں یہ فضیلت مآب بچہ تجارتی قافلوں کے ساتھ شام وغیرہ کے تجارتی سفر کرتا ہے۔ عیسائی اور یہودی قومیں آخری نبی کا بیتابی سے انتظار کر رہی ہیں۔ اُن کے راہب اور پادری اُس نبی کی آمد کا زمانہ قریب پا کر اُس کے نشانات کو ہر دم پیش نظر رکھتے ہیں۔ شام کے تجارتی سفر میں نسطورا عیسائی راہب اُس کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لیتا ہے۔ اور

اُس کی شکل میں آخری نبی کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ ایک دوسرا آہ
بحیرا اُس کے چہرے کے جلال و جمال کو دیکھ کر پکار اُٹھتا ہے کہ یہ بچہ دُنیا کا
مقدس ترین پیغمبر اور نبی بننے والا ہے۔

اوّلین رشتۂ ازدواج کی تکمیل

محمدؐ کی راستبازی اور دیانتداری کے چرچے مکّے کے کوچہ و بازار
میں گونجنے لگ جاتے ہیں۔ اُسے "صادق" اور "امین" کے مایۂ ناز خطابات
سے پکارا جاتا ہے۔ لوگ اپنی امانتیں اُس کے پاس محفوظ سمجھتے ہیں اور کوشش
کرتے ہیں کہ اُن کے مالِ تجارت کے لئے ایسے امین کی امانداری حاصل ہو۔
خدیجہؓ مکّہ کی ایک صاحبِ ثروت بیوہ ہے۔ مکّہ کے بڑے بڑے سردار
اُس سے شادی کے آرزومند ہیں، اور اس سلسلہ میں اُن کی درخواستیں
ناکام ثابت ہو چکی ہیں۔ آمنہ کے یتیم اور جوان سال لال کا شہرہ خدیجہؓ کے
کانوں تک پہنچتا ہے۔ وہ انتہائی کوشش کے بعد آپ کو اپنے تجارت کے
مال کو باہر لے جانے کے لئے آمادہ کر لیتی ہے۔ آنحضرت صلعم بارہا اُس کا
مال شام وغیرہ میں لے جاتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر کے
خدیجہؓ کو مالا مال کر دیتے ہیں۔ محمدؐ کے اوصافِ حمیدہ، اُس کی دیانت و
صداقت، اُس کی شرافت و نجابت، اُس کی پاکبازی اور راستبازی کا جادو
وہ جادو ہے، جو خدیجہؓ کے دل کو پوری طرح متاثر کر لیتا ہے۔ آنحضرتؐ کی

خدمت میں نکاح کے لئے درخواست پیش ہوتی ہے جو منظور کرلی جاتی ہے اور اس طرح پچیس سال کی عمر میں آنحضرت صلعم اپنی زندگی کے اولیں رشتۂ ازدواج کی تکمیل فرماتے ہیں۔ خدیجۃ الکبریٰ پہلے ہی شرافت و نجابت میں ممتاز تھیں، اور جب انہیں تاریخ انسانی کے ممتاز ترین فرد کی رفاقت نصیب ہوتی ہے، تو وہ محسوس کرتی ہیں کہ زندگی کو چار چاند لگ گئے۔

عرب کا مقدس ترین جوڑا ایک دوسرے کی رفاقت میں زندگی کا سفر شروع کرتا ہے۔ خوش نصیب خدیجہؓ اپنی پوری دولت رفیقِ حیات کے قدموں پر نچھاور کردیتی ہے۔ اور دُنیا نے دیکھا کہ اعلانِ نبوت کے ساتھ جب آنحضرت صلعم پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، تو خدیجۃ الکبریٰؓ ایک مخلص ترین اور غمگسار رفیق کی طرح شانہ بشانہ چلتی رہیں۔

حلف الفضول کی تجدید

خدیجۃ الکبریٰؓ سے رشتۂ ازدواج کے قیام کے بعد آنحضرت صلعم معاشی پریشانیوں سے پوری طرح اطمینان حاصل کرتے ہیں، اور انسانی زندگی کے بلند ترین مقاصد اور تقاضوں کی پکار پہلی بار اُن کے کانوں سے پوری اہمیت کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ اصلاحِ عوام کا فرض انہیں میدانِ عمل میں لے آتا ہے۔ ظلم اور بدی کے استیصال اور نیکی و امن کے قیام و ترقی کا ولولہ قبائلِ عرب کی ایک انجمن کی تشکیل کے لئے سامنے آتا ہے۔

بہت مدت پہلے اشرافِ مکہ نے نیک مقاصد کی ترویج کے لئے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ کی تکمیل کی تھی۔ اسی معاہدہ کو مناسب ترمیم کے بعد نئی شکل دی گئی۔ اور مختلف و ممتاز عرب قبائل کی انجمن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تمیم وغیرہم اِن نیک مقاصد کی تکمیل کے لئے پیش پیش تھے۔ اور مجلس مذکور کے ہر رُکن کو حسبِ ذیل اقرار کرنا پڑتا تھا:۔

۱۔ ہم مُلک سے بدامنی کو دُور کریں گے۔
۲۔ ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے۔
۳۔ غریبوں کی امداد ہمارا فرض ہو گا۔
۴۔ ہم زبردستوں کو ظلم سے روکیں گے۔

حلف الفضول کی تجدید و تکمیل اعلانِ نبوت سے کئی سال قبل ہوئی اور اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دُنیا کا آخری نبی مقامِ نبوت پر فائز ہونے سے قبل بھی انسانیت کا سچا غم اور مخلصانہ احساس اپنے دل میں رکھتا تھا۔ اور نیکی کی ترویج و ترقی کا جذبہ پُورے جوش و خروش سے اُس کے دل میں لہریں لے رہا تھا۔

عُزلت گزینی اور نزولِ وحی

آنحضرتؐ کا اب کم و بیش تیس بہاریں زندگی کی گزار چکا ہے۔ اور زندگی کی اس نئی منزل پر عزلت گزینی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ طبیعت گوشۂ تنہائی کی

طرف مائل ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک دلکش روشنی اور چمک بار بار نظر آنے لگتی ہے۔ روحانی آرزوؤں کے تقاضے آنحضرت صلعم کو مکہ سے تین میل دور غارِ حرا (جبل النور) میں بار بار لے جاتے ہیں۔ وہ کئی کئی دن غارِ حرا میں مصروف عبادت رہتے ہیں۔ استغراق کی ایک دلنواز کیفیت اُن پر طاری رہتی ہے۔ فطرت کے حسین تصورات میں وہ کھوئے کھوئے رہتے ہیں حقیقت کشائیوں کی ایک نامعلوم تڑپ میں خود فراموشی کا عجیب و غریب کیف انہیں ہر دم سرشار کئے رہتا ہے۔ وہ شب و روز نئے نئے خواب دیکھتے ہیں۔ یہ خواب حقیقت اور صداقت سے کے اتنا ہی قریب ہوتے ہیں جتنی آفتاب کے ساتھ روشنی۔ یہ سچے خواب ساتھ ساتھ حقیقت بنتے جاتے ہیں۔

آخر ایک دن آتا ہے جبکہ استغراق اور اضطراب کی زندگی انتظار کے مرحلے طے کرکے حاصلِ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ رسالت کا آفتاب غارِ حرا میں طلوع ہوتا ہے، اور ایک فرشتہ نمودار ہو کر آنحضرتؐ کو مخاطب کرتا ہے۔ اِقْرَأْ کی ملکوتی صدا غارِ حرا میں گونجتی ہے۔ پھر اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ کی آواز آتی ہے۔ چند روز بعد آپؐ کملی اوڑھے لیٹے تھے کہ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ کی آیات نازل ہوتی ہیں۔ اور اس کے بعد وحی آسمانی کا یہ سلسلہ باقاعدہ جاری ہو جاتا ہے۔

آفتابِ اسلام کی نور پاشیاں

کفر و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اسلام رُشد و ہدایت کا آفتاب بن کر طلوع ہوا ہے۔ ظلم و طغیان کی بستیوں میں پیاسی دُنیا کے لئے رحمتِ باری کے چشمے پھُوٹے ہیں۔ اِنسانیت کی سُوکھتی ہوئی کھیتیوں پر امن و راحت کی گھٹائیں نمُودار ہوئی ہیں۔ وادیٔ بطحا کا "صادق" اور "امین" دُنیا کا آخری پیغمبر اور نبی بن کر زمانے کو از سرِ نو نہال کرنے اُٹھا ہے۔ اور مکّہ کے گلی کوچے دینِ فطرت کی روشنی سے مالا مال ہوا چاہتے ہیں۔

محمدؐ کی زبانِ فیض ترجمان نے فطرت کا محبوب ترین رازدان بن کر مظلوم دُنیا کو راہِ نجات کی طرف بُلایا۔ سعید رُوحیں دیوانہ وار بڑھیں، اور وہ دِل جن پر ضلالت کی مُہریں لگ چکی تھیں، کفر و شیطنت کے علمبردار بن کر مقابلے میں آ گئے۔

ایک طرف اللہ والوں کی قطار میں خدیجۃ الکبریٰؓ، صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ، زید بن حارث، عثمانؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیرؓ بن عوام، ابو عبیدہؓ، ابو سلمہؓ کا اجتماع ہو رہا ہے۔ دوسری جانب ابو جہل، ابُو لہب، ابو سفیان شیطان کے ساتھیوں کی مجلس آراستہ کر رہے ہیں۔ ہاں اب حق و باطل کے خوفناک ٹکراؤ ہوں گے۔ رحمٰن اور شیطان کے درمیان جنگیں شروع ہوں گی۔ باطل اپنی پُوری قوتوں سے آراستہ ہو ہو کر بدر و اُحد کے میدانوں میں نمُودار ہو گا۔ .... اب کے معرکے ہوں گے۔

اور یا لآخر جَآءَ الحَقُّ وَ زَھَقَ البَاطِلُ کا منظر پیدا ہو گا۔ باطل میدان سے راہِ فرار اختیار کرے گا، اور حق کو غلبہ اور عروج حاصل ہوگا۔

اشاعتِ اسلام کا دورِ اوّلین

تین سال کے اندر اندر قریش کی ہر مجلس میں دینِ اسلام کے چرچے ہونے لگے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نمازیں ادا ہونے لگیں۔ لیکن ماحول کے تقاضوں کی بنا پر اسلام کی اشاعت اعلانیہ صورت اختیار نہ کر سکی۔ اور آخر ایک دن حکم نازل ہوا کہ جو احکام نازل کئے جا رہے ہیں، انہیں کھول کھول کر بیان کرو۔

حکمِ ربانی کے نازل ہوتے ہی خدا کا رسولؐ خدا کے بندوں کو علی الاعلان اسلام کی دعوت پہنچانے لگا۔ اُس نے کوہِ صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو ہو کر اہلِ مدینہ کو اسلام کی طرف بلایا۔ اُس نے اعزہ و احباب کو ضیافتوں پر بلا بلا کر پیغامِ خداوندی کی حقیقت سمجھائی۔ دارِ ارقم، کوہِ صفا کے دامن میں پہلا دار الصدر بن چکا تھا۔ اسی گھر سے اشاعتِ اسلام کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر نیک دل انسانوں کے دلوں کو منور کر رہے تھے۔ توحید کی نسیم گل بخش ہوا اُجڑے ہوئے دلوں میں نئی بہاریں لا رہی تھی۔ ہر ایک خدا کی بارگاہِ اجلال میں سجدہ ریز ہو رہے تھے اور انسانیت کا رشتہ سب توڑ کر ایک مرکزِ حقیقی سے جوڑا جا رہا تھا۔

مخالفت کے صبر آزما طوفان

ایک طرف اسلام کی محبت بھری اور دلکش آواز دلوں کو کھینچ رہی تھی اور دوسری طرف اس کشتِ نوبہار کو ملیا میٹ کرنے کے لئے مخالفت کی تند و تیز آندھیاں حرکت میں آ رہی تھیں۔ طعن و تضحیک بڑھتے بڑھتے ایذا رسانیوں کی منظم تحریک کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ اسلام کے دیوانوں کو رسیوں میں جکڑ جکڑ کر تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تھا۔ گرم گرم اور وزنی پتھر سینوں پر رکھے جاتے تھے۔ مشکیں کس کس کر جسم کوڑوں سے لہو لہان کئے جاتے تھے گلوں میں رسیاں ڈال ڈال کر خدائے واحد کے پرستار سر بازار گھسیٹے جاتے تھے۔

حضرت بلال رضؓ سارا سارا دن گرم ریت پر تڑپائے جاتے تھے۔ ابو ذر غفاریؓ مار پیٹ کی شدت سے بے ہوش ہو ہو جاتے۔ خبابؓ بن ارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر چت لٹایا جاتا۔ ابن مسعودؓ کو صحن کعبہ میں مشکیں باندھ کر کوڑوں کی مار سے نیم بسمل کیا جاتا۔ حضرت عثمانؓ جیسے صاحب امارت کو رسیوں سے باندھ کر مارا جاتا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابی اونٹ اور گائے کے کچے چمڑوں میں لپیٹے اور باندھے جاتے۔ لوہے کی زرہیں پہنا کر دہکتے ہوئے انگارے اوپر ڈالے جاتے۔

حضرت ابو طالب کو رسولِ خدا کی سرپرستی سے کنارہ کش ہونے کے لئے دھمکیاں دی جاتیں۔ آنحضرتؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے۔ سرِ راہ سر پر راکھ

پھینکی جاتی ۔ حضرت زنیرہؓ کو ابوجہل نے مار مار کر اندھا کر دیا، اور رسولِ خدا کو وہ دردناک ایذائیں دیں کہ خدا کا عرش زلزلے میں آ گیا ۔

فاروقِ اعظمؓ بارگاہِ اسلام میں

اسلام کی تاریخ کے دورِ آغاز میں انقلاب انگیز آفتاب طلوع ہوا ہے اور اس آفتاب کی روشنی میں سکّے کا صاحبِ اثر سردار اور پہلوان عمرؓ بن الخطاب گھر سے شمشیرِ بے نیام لئے (نعوذ باللہ) ہادیِ اسلام کے قتل کا ارادہ لے کر نکلا ہے ۔ دارِ ارقم کی طرف جلتے ہوئے سرِ راہ اُسے خبر ملتی ہے کہ اُس کی ہمشیرہ فاطمہ اور اُس کا خاوند سعید پہلے ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں ۔

قدرت عمرؓ کو فاروقِ اعظم اور امیر المومنین بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے ۔ وہ اپنی بہن کے گھر میں داخل ہوتے ہیں ۔ چہرے پر غم و غصہ کی سرخی ہے، اور پہنچتے ہی اپنی بہن اور بہنوئی کو بے تحاشا مارنا شروع کر دیتے ہیں ۔ فاطمہؓ اور سعیدؓ اس مار پیٹ سے لہولہان ہو کر بھی ترکِ اسلام سے صاف انکار کر دیتے ہیں ۔ وہ جانیں تک دینے کے لئے تیار ہیں لیکن اسلام کی سچائی سے سرِ مو گریز کے روادار نہیں ۔

استقلال اور ثبات کا یہ رنگ عمرؓ کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا ۔ اُس کا غم و غصہ رحم میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ وہ ہمدردی سے کلامِ خدا سننے کا مطالبہ کرتا ہے ۔ یہ رنگ دیکھ کر حضرت خبابؓ بھی جو قریب ہی چھپے ہوئے تھے باہر نکل آتے

ہیں۔ سُورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کی تلاوت ہوتی ہے۔ اور اسلام کی عظمت سے مسحُور ہو کر عمرؓ وہاں سے سیدھا دارِ ارقم کا رُخ کرتا ہے۔ ننگی تلوار گلے میں لٹکائے وہ دروازے پر دستک دیتا ہے۔ مخبرِ صادق کے دیوانے اُٹھ کر دروازہ کھول لیتے ہیں۔ عمرؓ اپنے آپ کو رسُولِ خدا کے قدموں میں گرا دیتے ہیں اور مُسلمان ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ رحمۃً للعالمین جوشِ جذبات میں انہیں اٹھا کر سینے سے لگا لیتے ہیں، اور دارِ ارقم میں تکبیر کا نعرہ اس زور سے بلند ہوتا ہے کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اُٹھتی ہیں +

اسلام دارِ ارقم میں محصُور تھا۔ لیکن عمرؓ کے اسلام لانے ہی یہ دیواریں ٹوٹ گئیں۔ عمرؓ خود وہاں سے سیدھے خانہ کعبہ پہنچے اور وہاں سردارانِ مکہ کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ عمرؓ کے مسلمان ہوتے ہی اسلام کی زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ نمازیں علی الاعلان خانہ کعبہ میں ادا ہونے لگیں، اور اسلام کی آواز مکّہ کے گلی کوچوں میں کھُلم کھُلا گونجنے لگی +

عمرؓ گھر سے اسلام کا نام و نشان مٹانے نکلے تھے۔ لیکن جب وہ گھر کو واپس ہوئے، تو توحید کی عظمت اور اسلام کی صداقت کا جادُو ہمیشہ کے لئے اُن کا دِل لوٹ چکا تھا۔ صدیقِ اکبرؓ کی وفات کے بعد وہ اسلام کا بے مثال خلیفہ اور عظمت مآب امیرالمُومنین قرار پایا۔ اُس کے عہدِ سعید میں قیصر و کسریٰ کے تاج عرب کے صحرا نشینوں کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ اور اسلامی فتوحات کا سیلاب ایک طرف ایران و عراق اور دُوسری جانب شام و فلسطین کی آخری دیواروں سے ٹکرانے لگا +

نجاشی کے دربار میں

حمزہؓ و عمرؓ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ مکّے کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات پوری طرح تنگ ہوا جا رہا تھا۔ صبر و ضبط کے پیمانے لبریز ہوئے جا رہے تھے۔ ایسی حالت میں مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو ملکِ حبش کی طرف ہجرت کر جانے کا اذن ہوا۔ اور یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کی قیادت میں مسلمانوں کے دو دستے عازمِ حبش ہو گئے۔ قریشِ مکّہ نے عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں جو اس وقت ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کا تعاقب کیا۔ اور آخر نجاشی شاہِ حبش کے دربار میں پہنچ کر نجاشی اور اُس کے درباریوں کو ان کے خلاف گرمایا۔

شاہِ حبش نے مسلمانوں کو دربار میں بُلایا، اور اُن سے صورتِ حالات کے بارے میں جواب طلبی کی۔ مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے اس موقع پر حضرت جعفرؓ نے جو تقریر کی، وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ شاہِ حبش اور اُس کے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے اُنھوں نے فرمایا:-

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل، بُت پرست، مُردہ خوار اور بدکار تھے۔ قطع رحمی اور ہمسایوں سے بدمعاملگی میں مشہور تھے۔ ہم میں جو طاقتور ہوتا، وہ کمزور کا حق بزور دبا لیتا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا، جس کے حسبِ نسب، اور صدق و دیانت سے سب واقف ہیں۔ اُس رسول نے

ہمیں موحّد بنا کر بُت پرستی سے روکا۔ راست گفتاری، امانتداری اور صلہ رحمی کا حکم دیا۔ ہمسایوں کے ساتھ نیک سلوک کی تعلیم دی۔ بدکاری، دروغگوئی اور یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا قتل وغارت سے باز رکھا اور عبادتِ الٰہی کا حکم دیا۔ ہم اُس رسُولؐ پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی اس پر ہماری قوم ہم سے ناراض ہو گئی۔ ہم کو انواع و اقسام کی اذیتیں پہنچائیں۔ یہاں تک کہ ہم مجبور ہو کر اپنے ملک سے نکل آئے، اور آپ کی سلطنت میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کی سلطنت میں ہمیں ستایا نہیں جائے گا۔"

نجاشی اس تقریر سے از حد متأثر ہوا۔ اور اُس نے فرمائش کی کہ نازل شدہ آیاتِ قرآنی کا کچھ حصّہ اُسے سُنایا جائے۔ اور جب کلامِ خدا کی تلاوت ہوئی، تو نجاشی اور اہلِ دربار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاہِ حبش پکار اُٹھا کہ توریت اور انجیل کی طرح قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے۔ اُس نے اعلان کر دیا۔ کہ مظلوم اور مہاجر مسلمان اُس کی حفاظت میں رہیں گے۔ وفدِ قریش کے تحائف لوٹا دیئے گئے۔ اور وہ سرزمینِ حبش سے خاسر و ناکام واپس ہوا۔

سفرِ طائف اور پتھروں کی بارش

نبوّت کا دسواں سال تاریخ اسلام میں عام الحزن کے نام سے

دور ہے۔ اس سال رسولِ خدا کی محبوب بیوی خدیجۃ الکبریٰ اور شفیق ترین سرپرست چچا ابوطالب یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ حضرت ابوطالب کے انتقال کے بعد قریش کی راہ سے آخری رکاوٹ بھی دور ہو گئی۔ اور اُن کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ اب ایک سلسلۂ دراز بن گیا۔

مصیبتوں کا یہی دور تھا جبکہ رسولِ خدا نے طائف کا سفر اختیار کیا۔ طائف کے سردار عبد یالیل اور اُس کے بھائیوں کو آنحضرتؐ نے جب اسلام کی دعوت دی، تو پہلے اُنھوں نے تمسخر اور استہزاء سے کام لیا، اور اس کے بعد طائف کے لونڈوں کو اشارہ کیا جس کے ساتھ ہی خدائے دوجہاں کے محبوب اور رحمۃ للعالمین پر پتھروں اور گالیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ رسولِ خدا کا سارا جسم زخموں سے چُور چُور اور نڈھال ہو گیا۔ نعلین مبارک خون سے بھر گئیں۔ اس پر بھی طائف کے نابکار اور بدکردار تین میل تک تعاقب میں رہے۔ خدا کا محبوب ایک باغ میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اور آپ کا غلام جانثار زید آپ کو بمشکل ہوش میں لایا۔ اور ہوش میں آنے پر طائف کے نابکاروں کے حق میں بد دعا کرنے کی درخواست کی۔ لیکن خدا کا وہ آخری نبی جو سراپا پیکرِ رحمت بن کر دُنیا میں آیا تھا، اس امر کے لئے تیار نہ ہوا، اور آپ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کے حق میں کیوں بد دُعا کروں۔ ایک وقت آنے گا کہ انہی انسانوں کی نسلیں پرچمِ اسلام کو تھامیں گی، اور اسلام کے آستانِ توحید پر سجدہ ریز ہوں گی۔

اسلام کا رُخ مدینے کی طرف

نبوّت کے تیرھویں سال کا آغاز ہے۔ اسلام کی شعاعیں وادیِ
سے آگے بڑھ کر یثرب کے مکینوں کو اپنی دلکشی سے متاثر کرنے لگیں۔
سال قبل مدینے کے چھ خوش نصیب باشندے حج پر آئے، اور دولتِ اسلام
مالامال ہو کر واپس ہوئے۔ اگلے حج پر بیعت عقبہ اُولیٰ کے نام پر مدینے کے بار
سود بخت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مدینے پہنچ کر اُنہوں نے پکار پکار کر کہا
وہ نبی جس کا تمام دُنیا کو انتظار تھا آگیا۔ ہمارے کانوں نے اُس کا کلام
ہماری آنکھوں نے اُس کا دیدار کیا، اور اُس نے ہمیں زندہ خدا سے ملا د
حضرت مصعبؓ ابن عمیر اسلام کے پہلے مبلغ کی حیثیت میں اُن کے ساتھ مد
پہنچے، اور اُن کی تبلیغی جدوجہد کی بدولت یثرب کے گلی کوچے اسلام کی ضوفشا
سے جگمگا اُٹھے۔ نبوت کے تیرھویں سال جب حضرت مصعبؓ حج پر آئے
اُن کی ایک سال کی مساعی سے ۷۲ مسلمان مدینے سے اُن کے ساتھ آ
عقبہ کے مقام پر بیعت ثانی ہوئی، اور مذکورہ اصحاب نے سرورِ کائنات
مدینے چلنے آنے کی پیشکش کی۔

مدینے کے ان گرمجوش مسلمانوں پر اُن مشکلات و مصائب کی وضا
کر دی گئی۔ جن کا رسولِ خدا کو مدینے لے جانے پر امکان تھا۔ لیکن اُنہوں
رسُولِ خدا کی حمایت و حفاظت میں ساری دُنیا سے ٹکرا جانے کا عزم صمیم
ظاہر کیا۔ آخر بارہ بزرگ نقیبِ اسلام مقرر کر کے مدینے روانہ کر دیئے گئے

کے مظلوم مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی گئی۔ اور وہ
ہی بار ہی چھپ چھپ کر مدینے کا رخ کرنے لگے۔

ہجرت نبویؐ

مکہ سے مسلمانوں کی مدینے کی طرف ہجرت اور وہاں اُن کا اجتماع
ر بڑھتی ہوئی قوت قریشِ مکہ کے لئے باعث تشویش بننے لگی۔ نبوت کا
دھواں سال تھا، اور ماہِ صفر کی آخری تاریخیں گزر رہی تھیں، جب کہ قریش
نے اپنے ناپاک عزائم کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا۔ دارالندوہ میں قریش کے
ے بڑے سرداروں کا ایک اجلاس خصوصی طلب کیا گیا، اور طویل غور و فکر
کے بعد سب اس امر پر متفق ہو گئے کہ تمام قبائل کے منتخب افراد بیک وقت
رسولِ خدا پر تلواروں سے حملہ آور ہوں اور اس آیۂ رحمت کو نعوذ باللہ بیک
وقت ختم کر دیں۔

ایک طرف دارالندوہ میں یہ فیصلے طے پا رہے تھے، اور دوسری طرف
محمدؐ کا علیم و بصیر خدا اپنے محبوب کو ہجرت کا پیغام سنا رہا تھا۔

دارالندوہ کی مجلس کا فیصلہ اگلی شب کو بروئے کار آنا تھا۔ اور شب
مذکور کے آغاز کے ساتھ ہی رسولِ خدا کا مکان مسلح شیطانوں کے محاصرے میں
تھا۔ دوسری طرف صدیق اکبرؓ کے مکان پر ہجرت کی تیاری مکمل ہو رہی تھی۔
آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلایا۔ اہلِ مکہ کی امانتیں اُن کے

سپرد کیں۔ اور اس کے بعد سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے اور محاصرین کی آنکھ
میں خاک جھونکتے وہ صدیقِ اکبرؓ کے گھر پہنچ گئے۔ اور وہاں سے یہ دونوں آفتا
و ماہتاب راتوں رات مدینے سے چار میل دُور غارِ ثور میں بحفاظت تمام
پہنچ گئے۔

مدینے کی راہوں میں

غارِ حرا کے بعد غارِ ثور کی قسمت جاگ اُٹھی۔ صدیقِ اکبرؓ پہلے غا
میں داخل ہوتے ہیں، اُسے اچھی طرح صاف کرتے ہیں، اور صفائی ہو چکے
کے بعد تاریخِ انسانی کا مقدس ترین انسان اندر داخل ہوتا ہے۔ خدا کا وہ
اولوالعزم نبی جس کے خلاف فطرت کا زندگی بخش پیغام لانے کے جرم میں
تمام عرب پا بہ رکاب ہو رہا تھا، اپنے رفیقِ صدیقؓ کی رفاقت میں اس سنسا
غار کے اندر پناہ لینا ہے۔

مکہ کے شیطان جب علی الصبح سرورِ کائنات کے بستر سے حضرت علیؓ کو
ہوتا دیکھتے ہیں، تو اُن کی آرزوؤں اور اُمیدوں کا خون ہو جاتا ہے۔
خاموش رہنے کی بجائے رسولِ خدا کا تعاقب کرتے ہیں۔ گرفتاری کے
انعامات کا اعلان ہوتا ہے۔ تلاش و جستجو کے اس جوش میں ایک گروہ
ثور کے دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔ اُن کے قدموں کی آہٹ اور باتیں
غار کے پناہ گزینوں کو صاف صاف سنائی دیتی ہیں۔ صدیقِ اکبرؓ خطرے

نزیب پاکر لرز اُٹھتے ہیں۔ اپنے لئے نہیں، بلکہ اُس مایۂ ناز رفیق کی زندگی کے لئے جس کی گردِ راہ کے مقابلے میں دُنیا بھر کے خزانے ہیچ تھے۔ اُن کا غم و اضطراب ایک دردناک سوال بن کر چہرے پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

مخبرِ صادق اپنے ساتھی کو مغموم پاتے ہیں، تو بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں کہ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے)

اقبال انہی مقدس الفاظ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ؎

این سبق صدیق را صدیق کرد
سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد

مکڑی غار کے دروازے پر آناً فاناً جالا تنتی ہے۔ کبوتر اپنا گھونسلہ بنایا کرتے ہیں، اور کفار غار کے عین دروازے پر پہنچ کر ناکام لوٹتے ہیں۔

تین دن غارِ ثور میں گزارنے کے بعد اسلام کے آفتاب و ماہتاب اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینے کا رُخ کرتے ہیں۔ سراقہ بن مالک انعام کے لئے اونٹ حاصل کرنے کے جوش میں تعاقب میں اپنا گھوڑا دوڑاتا ہے۔ اور قریب پہنچ کر چاہتا ہے کہ تیر چلائے لیکن اُس کا گھوڑا ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتا ہے، اور آخر پیٹ تک زمین میں دھنس جاتا ہے۔ سراقہ خوفزدہ ہو کر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑتا ہے اور آگے بڑھ کر مجرمانہ انداز میں سرورِ کائنات کے قدموں پہ سر رکھ دیتا ہے۔ رسولِ خدا مطمئن ہو کر سراقہ کو امان نامہ لکھ دیتے ہیں اور آخر میں مسکرا کر فرماتے ہیں کہ "سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ (شاہِ ایران) کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں"۔

غریب الوطنی اور مصیبت کے اس عالم میں بھی رسولِ خدا کی نگاہیں اسلامی فتوحات کے آنے والے سیلاب کو قیصر و کسریٰ کے محلوں تک بڑھتے اور پھیلتے ہوئے دیکھتی ہیں، اور فتح ایران کے بعد وہ وقت آتا ہے جبکہ فاروقِ اعظمؓ سراقہ کو بلاتے ہیں، اور شاہِ ایران کے سونے کے کنگن اس کے ہاتھوں میں پہنا کر مخبرِ صادق کی پیشگوئی کو پورا کر دیتے ہیں ؂

مدینے میں داخلہ

ہجرت کے آٹھویں روز عرب و عجم کا تاجدار صدیق اکبرؓ کی رفاقت میں نمازِ جمعہ کے بعد مدینے کی بستی میں داخل ہوا۔ مدینے کی سرزمین اپنی خوش نصیبی پر ناز کر رہی تھی۔ وہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا جس نے اس بستی کو روئے زمین پر ممتاز ترین حیثیت دلا دی۔ ہاں یثرب کی خوش نصیبی پر بلادِ عالم کو رشک آ رہا تھا۔ مدینہ تاجدارِ رسالت کا مسکن بن رہا تھا۔ صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کا دارالخلافت بن رہا تھا۔ تاریخ عالم کے اہم ترین فیصلوں کا مرکز بن رہا تھا ؂

جہانگیری اور جہاں آرائی کے سکوں سوز عزائم نے اسی بستی کو اپنا مرکز بنایا۔ خدائی لشکروں کے طوفان یہیں سے اُٹھے۔ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج اسی پر قربان ہوئے۔ قانونِ فطرت کی جہاں بانی کا بدرِ منیر یہیں سے طلوع ہوا۔ رشد و ہدایت کے بہار آفریں چشمے یہیں سے پھوٹے ؂

مدینے کی سرزمین تجھ پر سلام! تیرے گلی کوچوں پر سلام! تیری زمین کے ایثار پیشہ انصار پر سلام! اُن مہاجرین پر سلام جو اپنا سب کچھ لٹا کر تیری پناہ میں داخل ہوئے!

ہاں وہ دن مدینے کی خوش نصیبی کا پہلا دن تھا جب کہ محبوبِ رب العالمین کے قدوم میمنت لزوم کو اس سرزمین نے بوسے دیئے!

ہاں! مدینے کی قسمت پر فخر و مسرت کے پھولوں کی بارش شروع ہے انصارِ مدینہ قطار در قطار کھڑے ہیں۔ مدینے کی معصوم بچیاں کس قدر دلکش ترانہ گا رہی ہیں:-

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	چاند نے کوہِ وداع کی گھاٹیوں
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع	سے طلوع کیا!
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع	ہم پر شکر واجب ہے!

دوسری طرف قبیلۂ نجار کی لڑکیوں کا دلنواز ترانہ فضا میں سرور پیدا کر رہا تھا

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ	ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَار	محمد صلعم کتنے پسندیدہ ہمسائے ہیں

ناقۂ رسول چلتے چلتے حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے بیٹھ جاتا ہے۔ مدینے کے معززین رسولِ خدا کی میزبانی کی آرزوئیں دل میں لئے ہوئے ہیں۔ لیکن تاجدارِ رسالت ابو ایوبؓ کی میزبانی کو سب پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور مدینے کا یہ غریب مسلمان اپنی سعد بختی کے اس سرور سے جھوم

ہو جاتا ہے +

اتحاد و امن کے معاہدات

مختلف قبیلوں اور جُدا جُدا مذاہب کی بستی مدینہ میں پہنچ کر خدا کا آخری رسُولؐ وقت کے تقاضوں سے بے نیاز نہیں ہوا۔ اسلام کا مستقبل اُس کے سامنے ہے۔ قریشِ مکہ کی فطری دشمنی اور شیطانی سازشیں اُس نے نظر انداز نہیں کیں۔ ایک وسیع النظر سیاست دان اور بیدار مغز مدبّر کی طرح وہ خوب سمجھتا ہے کہ اسلام کو اپنی اشاعت و تبلیغ کی راہیں ہموار کرنے کے لئے ساری دُنیا سے ٹکر لینی ہوگی۔ مشرق و مغرب کی ہر طوفانی یلغار کا مردانہ وار جواب دینا ہوگا اس صبر آزما ماحول میں کشتیِ اسلام کو بحفاظت تمام ساحلِ مراد تک لے جانے اور ملتِ اسلامیہ کی آنے والی نسلوں کے سامنے سیاسی جد و جہد کا کامیاب نقش رکھنے کے لئے وہ بین الاقوامی جوڑ توڑ اور اتحاد کے معاہدات کو کما حقہٗ اہمیت دیتا ہے۔ اور مدینے میں اُس کا پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہاں کے مختلف النور اور مختلف المذاہب قبائل سے بین الاقوامی اصُولوں پر دوستی اور اتحاد کے رشتے استوار کرے۔ ہجرت کے پہلے سال ہی ایک معاہدہ ترتیب دیا جاتا ہے اور سارے قبائل اس کی بنا پر ایک وحدتِ قومی کو بروئے کار لاتے ہیں۔ معاہدہ مذکورہ کی نمایاں شرائط حسب ذیل ہیں :-

۱- محمد النبیؐ کی جانب سے مُسلمانوں کے درمیان جو قریشی یا یثرب سے

باشندے ہیں، اُن لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے اور کاروبار میں اُن کے ساتھ شامل ہیں

۲۔ یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے

۳۔ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں

۴۔ جو کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا تو اس کے خلاف سب مل کر کام کریں گے

۵۔ معاہد اقوام کے باہمی تعلقات، باہمی خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے۔ ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے

۶۔ جنگ کے مصارف میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ حصہ دار ہوں گے

۷۔ یہودیوں کی دوستدار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے

۸۔ مظلوم کی امداد و اعانت کی جائے گی

۹۔ مدینے میں کشت و خون سب معاہد اقوام پر حرام ہوگا

۱۰۔ زنہانی بھی معاہد اقوام کی طرح سمجھے جائیں گے

۱۱۔ معاہد اقوام میں اگر کسی امر پر صورت فساد پیدا ہو تو اُس کا فیصلہ خدا اور اُس کے رسُول محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر چھوڑا جائے گا

مذکورہ معاہدے پر مدینے کی تمام اقوام نے تصدیق و تائید کی اور ہر گروہ کے نمائندے نے اُس پر اپنے دستخط ثبت کیئے۔ آنحضرت صلعم نے کوشش کی کہ گرد و نواح کے قبائل کو بھی اس معاہدے میں شامل کرلیا جائے یہودیوں کی بدباطنی سے یہ معاہدات حاصل تکمیل کو نہ پہنچے۔ بہرحال

اُن سے اور اہلِ مدینہ سے رسولِ خدا کو کوئی خطرہ نہ رہا ÷

جنگِ بدر کا معرکۂ اوّلین

تاریخ قریشِ مکّہ کی شدّتِ بغض وعناد کو کبھی معاف نہ کرے گی آمنہ کے لال کو "صادق" اور "امین" پکارنے والے نابکار یہ برداشت نہ کر سکے کہ انہی میں سے ایک مقدّس شخصیت پیغمبرانہ آخر الزّمان بن کر اُٹھے اور ساری دُنیا کو آستانۂ خداوندی پر کھینچ لائے۔ اُنہوں نے خدا کے اس محبُوب نبی کے ساتھ جو بدسلوکیاں کیں، اُس کی ذلت و رسوائی کے لئے جو جو شیطانی سازشیں کیں۔ اُس کے خلاف ایذا رسانیوں کے جو نئے نئے حربے تیار کئے۔ اُس کے حق پرست ساتھیوں پر جس سنگدلی سے مکّہ کی زمین تنگ کی سرزمین حبش تک جس بد باطنی سے ان کا تعاقب کیا۔ رسُولِ خدا کو حقیقت کشائی کے جُرم میں قتل کرنے کے جو جو منصوبے باندھے، جس بے دردی سے انہیں مکّہ کا محبوب گھر چھوڑنے پر مجبُور کر دیا۔ تاریخ ظلم وستم کی اس تلخ داستان کو سینے سے لگائے ہوئے ہے ÷

لیکن بے حیائی اور خبثِ باطن کی یہ ظلم انگیز کارگزاری ہے کہ جب حق وصداقت کا وہ زندگی بخش علمبردار گھر بار چھوڑ کر میلوں دُور جا کر مدینے میں پناہ لیتا ہے، تو وہاں بھی اُس کا پیچھا چھوڑا نہیں جاتا ÷

مدینے کے یہودیوں کو تاجدارِ رسالت کے خلاف برانگیختہ کیا جاتا ہے۔

انہیں معاہدہ شکنی کی شہ دی جاتی ہے، اور بالآخر ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ ھ کو جبکہ رسولِ خدا کو ہجرت کئے دو برس پورے نہیں ہوئے، ایک ہزار کے لشکرِ جرار سے جو کیل کانٹے سے پوری طرح لیس تھا، مدینے پر چڑھائی کر دی جاتی ہے ہادیِ اسلامؑ اور اُس کے جاں نثار رفقاء کو تہس نہس کرنے کا یہ منظم ترین قدم تھا، جو قریشِ مکہ نے ابو جہل کی سالاری میں اُٹھایا۔

رسولِ خدا پر اذنِ جہاد کی آیات نازل ہوئیں۔ وہ اپنی بے سر و سامانی کے عالم میں شمعِ اسلام کے تین سو تیرہ پروانوں کو ہمراہ لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ اور مقامِ بدر پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ تاریخِ انسانی میں اپنی نوعیت کا یہ بے مثال معرکۂ حق و باطل تھا جس میں ایک طرف کفر و باطل کے علمبردار پوری قوت اور سامانِ جنگ سے لیس ہو کر اور دوسری طرف توحید کے فاقہ کش پرستار غربت و افلاس کے نشان چہروں پر لئے پیدل چل کر میدانِ بدر میں پہنچے۔ خدا کا محبوبؐ سرِ میدان سجدہ ریز ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اور اُس نے ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں یہ دعا مانگی کہ

"اے بارِ الٰہا! اگر اہلِ ایمان کی اس مختصر سی جماعت کو بھی آج تُو نے ہلاک کر دیا، تو رُوئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا بھی کوئی نہ رہے گا!"

دو رکعت نماز کی ادائیگی کے بعد رسولِ خداؐ نے دشمنانِ خدا کے مقابلے میں صفوں کو ترتیب دیا۔ مبارز طلبی سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ حضرت حمزہؓ نے قریش کے مشہور سردار عتبہ کو اور حضرت علیؓ نے اُس کے لڑکے ولید کو تلواروں

کے ایک ایک وار ہی سے واصلِ جہنم کر دیا، اور پھر باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ لشکرِ کفار کا سپہ سالار ابو جہل انصار کے ایک نوعمر معوذؓ بن عفراء کے ہاتھ سے نیم بسمل ہو کر گرا۔ کفار کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ نیم بسمل ابوجہل کے سینے پر چڑھ کر عبداللہ بن مسعودؓ نے اس ازلی بدبخت کا سر تن سے جدا کیا۔ اور اُسے رسولِ خدا کے سامنے لا پیش کیا۔

لشکرِ کفار کے بڑے بڑے تمام سردار اس معرکہ میں کام آئے۔ ستّر بہادر واصلِ جہنم ہوئے اور ستّر گرفتار۔ بدر کی فتح تاریخ اسلام کی پہلی فتح تھی جو شمعِ اسلام کے پروانوں کے حصّے میں آئی۔ وہ بے سروسامان تھے۔ کفارِ مکّہ پوری طرح ساز و سامان سے لیس اور تعداد میں تین گنا سے بھی زیادہ تھے لیکن اسلام کے صادق الوعد خدا نے بتا دیا کہ حق کے سامنے باطل کو اوّل و آخر ہزیمت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔

قتل کی سازش ناکام

کفارِ مکّہ پر خدا کی لعنت ہو، کہ وہ آخر تک خدا کے نیک دل رسول کے خلاف اپنی شیطانی اور موت انگیز سازشوں سے باز نہ آئے۔ وہ مدینے تک چڑھ دوڑے۔ لیکن خاسر و ناکام ہوئے اور ذلت آمیز شکست کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ میدانِ بدر میں جو کفار مقتول ہوئے ان میں صفوان بن امیّہ کا باپ بھی شامل تھا۔ مکّہ کے ایک دوسرے کافر عمر بن وہب کا بیٹا بھی

اسیرانِ جنگ میں شامل تھا۔

مکّہ کے یہ دونوں بدبخت ایک روز مدینے سے باہر ایک سنسان جگہ آ بیٹھے ہوئے اور سرورِ کائنات کے قتل کی تدبیریں سوچنے لگے۔ کافی غور کے بعد طے پایا کہ عمیر بن وہب مدینے پہنچ کر اس شیطانی سازش کو بروئے کار لائے۔ عمیر نے اپنی تلوار کی دھار تیز کی۔ اُسے زہر میں بُجھایا، اور عازمِ مدینہ ہوگیا۔ مدینے میں وہ ابھی مسجدِ نبوی کے سامنے پہنچا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اُسے پہچان لیا۔ انہیں شک پیدا ہوا اور اُسے پکڑ کر بارگاہِ نبوی میں لا حاضر کیا۔ رسُولِ خدا نے عمیر سے شمشیر بکف مدینے آنے کی وجہ پُوچھی۔ لیکن اُس نے اپنے شیطانی ارادے کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

بالآخر رسولِ خدا نے فرمایا کہ "عمیر دیکھ، تُو اور صفوان مکّہ کے سنسان پہاڑ پہ گئے۔ صفوان نے تیرا قرض اور تیرے کنبے کا خرچ اپنے ذمّے لیا۔ تُو نے اُس سے میرے قتل کا وعدہ کیا، اور یہی ارادہ لے کر یہاں پہنچا۔ عمیر! تُو نہ سمجھا کہ میرا محافظ خدا ہے۔"

عمیر یہ سُن کر حیران رہ گیا۔ اسلام کی صداقت اُسے متاثر کئے بغیر نہ رہی۔ وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ رسُولِ خدا سے اجازت حاصل کر کے مکّہ پہنچا۔ مکّے کی گلی کوچوں میں وہ آخری سانس تک اسلام کی صداقت کی منادی کرتا رہا۔ اسلام کی عظمت کے گیت اُس کے لبوں پر رقص کرتے رہے اور اُس کی بدولت مکّہ کے بہت سے لوگ دولتِ اسلام سے مالا مال ہو گئے۔

اُحد کی لڑائی

میدانِ بدر میں کفّارِ مکہ کی شکست کا زخم وہ زخم تھا، جو رِستے رِستے ناسور کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ ایک کانٹا تھا، جو ہر لمحہ اُن کے دلوں میں کھٹکتا، اور وہ شکست کا انتقام لینے کے جوش میں دیوانے ہو جاتے۔ جوشِ انتقام میں اُنھوں نے ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنے کی تیاریاں جاری رکھیں۔ چندے کی فہرستیں کھولی گئیں اور شام کی تجارت کا سارا منافع جس میں پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اُونٹ تھے، انہی جنگی تیاریوں میں شامل کر لیے گئے۔

پوری تیاریوں کے بعد پانچ ہزار بہادروں کا لشکرِ جرار اسلام کے خلاف ایک طوفان بن کر مدینے کی جانب بڑھا۔ رسولؐ خدا بھی اپنے سات سو سرفروشوں کو لے کر توحید کا علم لہرانے نکلے۔ عبداللہ بن اُبَیّ مدینے کا مشہور منافق سرِ راہ اپنے بدنیت ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ ۷ شوال سنہ ۳ھ کو مدینے سے تین میل دُور اُحد کے سرخ پہاڑ کے دامن میں کفر و اسلام کے لشکروں نے اپنی اپنی صفیں آراستہ کیں۔ اسلام کے سات سو دلیرانہ پانچ ہزار کفّار کے آہن پوش پہاڑ سے ٹکرا گئے۔ اُنھوں نے کفّار کی بہت بڑی تعداد اور اُن کے بارہ علمبرداروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا۔

لیکن عین اُس وقت جبکہ کفّار کی شکست خوردہ فوج میدان سے بھاگ رہی تھی۔ تیر اندازوں کے مُسلمان دستے نے پشت کے درّے کو خالی کر دیا

رمیانِ جنگ کی مصلحتوں کو نظر انداز کرکے اس دستے کے تمام مجاہد آگے بڑھ
لئے۔ خالدؓ ابھی تک حالتِ کفر میں تھے اور کفار کے ایک دستے کی کمان کر رہے
تھے۔ انہوں نے موقع کی نزاکت کا اندازہ لگایا، اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر
ان پیچھے سے حملہ کر دیا۔

کفار کا بھاگتا ہوا لشکر ایک لمحہ کے لئے رُکا، اور اُس نے بھی پلٹ کر
مسلمانوں پر زوردار حملہ کر دیا۔ مسلمان اس غیر متوقع صورتِ حالات کا مقابلہ
کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ آناً فاناً کفار کی زد میں تھے، اور ساتھ ہی
پریشان و منتشر۔ اُن کی صفیں ٹوٹنے لگیں۔ خود رسولِ خدا کے گرد دس بارہ
جلیل القدر صحابیوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اب کفار کی پوری یورش اُسی مقام
پر تھی۔ جہاں سالارِ حجاز کفار کے خلاف استقلال کا پہاڑ بن کر ڈٹا تھا۔ صدیقؓ
و فاروقؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن وقاص، حضرت طلحہؓ، حضرت
زبیرؓ، ابو عبیدہؓ سب عرب کے چاند کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھے۔ وہ ہر حملے
کو مردانہ وار پسپا کرتے۔ یہاں تک کہ کفار نے آنحضرت صلعم پر پتھر پھینکنے شروع کر
دیئے۔ ابن قمیہ نے تلوار کا وار کیا جس سے فخرِ موجودات کی چاند سی پیشانی زخمی
ہو گئی۔ ابن ہشام کے پتھر نے آنحضرتؐ کے بازو کو صدمہ پہنچایا۔ عتبہ کے پتھر
سے سرورِ کائنات کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ چہرے پر خون کا دریا بہنے لگا۔
اسی عالم میں رسولِ خدا ایک غار میں گرے اور کسی بدبخت نے آپ کی شہادت
کی خبر مشہور کر دی۔ فاطمۃ الزہراؓ آپ کے پاس پہنچیں، اور آپ کے زخم دھوئے۔
اس لڑائی میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ ستر صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش

کیا۔ مصعبؓ بن عمیر نے جن کے زورِ خطابت نے اوس و خزرج جیسے قبیلوں کو اسلام کی آغوشِ عاطفت میں کھینچ لیا، اسی معرکے میں اپنی جان خدائے جان آفریں کے سپرد کر دی۔ حضرت حمزہؓ جیسا بطل جلیل ہندہ کے غلام وحشی کے حربے سے جاں بحق ہو گیا۔ سعدؓ بن ربیع نے بھی اسی جنگ میں جان دی۔ آخری وقت اُن کی زبان پر یہ الفاظ تھے:۔

"قوم کو میری طرف سے کہہ دینا کہ جب تک جھپکنے والی آخری آنکھ تم میں باقی ہے، اس وقت تک اگر دشمن نبی صلعم تک پہنچ گیا۔ تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔

رسولِ خدا غار سے باہر نکلے، اور اپنے جان نثاروں کی معیت میں سامنے کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ محاذِ جنگ میں یہ ایک بہترین تدبیر تھی جسے لشکرِ کفار کے سپہ سالار ابوسفیان نے دیکھا۔ اُس نے بھی ایک دستہ لے کر پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر ایک زوردار حملہ کیا۔ اور اُسے نیچے دھکیل دیا۔ ایک کافر اُبیّ بن خلف اپنا گھوڑا دوڑاتا رسولِ خدا پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ اپنے قریب پاتے ہی آنحضرت صلعم نے حارثؓ بن صمہ کا نیزہ لیا، اور اُس پر وار کر دیا۔ نیزے کی انی گردن کی ہڈی پر لگی۔ وہ بدحواس اور زخمی ہو کر بھاگا اور آخر مکے کی راہ میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

ابوسفیان نے جب کامیابی کی کوئی صورت نہ پائی، تو واپس لوٹنا ہی زیادہ مناسب سمجھا۔ سترہ معزز سردارانِ قریش اس لڑائی میں کام آئے اگرچہ مسلمانوں کو کافی زک اُٹھانی پڑی۔ لیکن اس کے باوجود یہ فیصلہ نہ ہو سکا

کہ فریقین میں سے فتحمند کون ہوا؟

پروانوں کا آخری رقص

ہجرت کا چوتھا سال تھا جبکہ قریشِ مکہ نے مکاری اور فریب کاری کا ایک جال تیار کیا۔ بنو اسد کے چند آدمیوں کے ذریعے تبلیغ اسلام کے نام پر وہ مبلغین اسلام کی ایک جماعت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سامنے میں دو سو مسلح جوانوں نے مبلغین کی اس مختصر جماعت پر جس کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی، یکایک حملہ کر دیا۔ اسلام کے دیوانے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور کفار ان میں سے خبیبؓ بن عدی، اور زید بن الاثنہ کو زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شمع اسلام کے ہر دو پروانوں کو کئی دن تک بھوکا اور پیاسا رکھا گیا۔ اور آخر ایک دن زیدؓ کو مقتل میں لایا گیا۔ مکہ کے کفار گروہ در گروہ اس پروانے کی آخری تڑپ کا تماشا دیکھنے مقتل میں پہنچے۔ اہلِ مکہ کا سردار ابوسفیان آگے بڑھا اور زیدؓ کے قریب پہنچ کر اس نے سوال کیا۔ کہ "زید! تم بھوکے اور پیاسے قتل ہو رہے ہو۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اپنے اہل و عیال میں آرام سے رہو، اور تمہاری بجائے (نعوذ باللہ) محمدؐ کی گردن مار دی جائے؟"

زیدؓ نے بے ساختہ جواب دیا: "واللہ! میں تو ایک لمحہ کے لئے یہ بھی گوارا نہ کروں، کہ آنحضرت صلعم کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھے اور میں ا

اہل وعیال میں آرام سے رہوں !!

شمع اسلام کے پروانے کا آخری تڑپ کے عالم میں یہ جواب ابوسفیان کو متأثر کئے بغیر نہ رہا۔ وہ بے ساختہ پکار اٹھا کہ " واللہ! میں نے محمدؐ کے جان نثاروں سے بڑھ کر جان نثار نہ کبھی دیکھے نہ سنے !"

زیدؓ شہید کر دیا گیا۔ لیکن جاں سپاری اور فداکاری کی ایک انمٹ داستان ابدالآباد تک کے لئے وہ تاریخ کے صفحات پر باقی چھوڑ گیا۔

زیدؓ کے ساتھ حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکایا گیا۔ ہر طرف سے اس کے جسم کو نیزوں سے کچوکے دیئے گئے۔ جگہ جگہ سے اس کا جسم چھید اگیا۔ ان بے پناہ زخموں کی تاب نہ لا کر خبیبؓ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ موت کے وقت خبیبؓ کی زبان پر یہ دعا تھی :-

اَللّٰھُمَّ بَلَّغْنَا رِسَالَۃَ رَسُوْلِکَ فَبَلِّغْہُ مَا یُصْنَعُ بِنَا

(اے اللہ ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا۔ اب تو رسول کو ہمارے حال کی خبر پہنچا دے!)

صبر آزما موت کے عالم میں جو ترانہ خبیبؓ کے لبوں پر کھیل رہا تھا وہ اس قابل ہے کہ سرفروشی اور جاں سپاری کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے، اور اسلام کے فرزند اسے ہمیشہ ہمیشہ ورد زبان بنائے رکھیں۔

آخری گیت

خبیبؓ کے آخری گیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

انبوہ در انبوہ لوگ مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔

دہ گروہ در گروہ جمع ہیں۔

وہ اپنی عداوتوں کی تکمیل کر رہے ہیں۔
اور جوش دکھا رہے ہیں جبکہ میں مقتل میں بندھا کھڑا ہوں۔
اُنہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی بلا لیا ہے۔
اور مجھے ایک مضبوط اور بلندی لکڑی کے پاس لے آئے۔
موت سے بچاؤ کے لئے اُنہوں نے مجھے کفر اختیار کرنے کی شرط پیش کی۔
لیکن اس سے تو میرے لئے جان دے دینا بہت آسان ہوگا۔
میں کسی کے خلاف شکوہ و شکایت نہیں رکھتا۔
میں دشمن کے سامنے اظہارِ عجز نہیں کروں گا، نہ آنسو بہاؤں گا۔
نہ چیخ و پکار کروں گا کیونکہ میں اپنے خدا کی طرف لوٹ رہا ہوں۔
میں موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ موت ٹل نہیں سکتی۔
لیکن جہنم کے اُن شعلوں سے ضرور ڈرتا ہوں جو خون تک چوس لیں گے۔
صاحب العرش نے مجھ سے کام لینا چاہا، اور مجھے صبر بخشا۔
میرے جسم کے پرزے اُڑا دیئے اور میرا اطمینان رخصت ہو گیا۔
غریب الوطنی اور مصیبت کے اس عالم میں
میں دشمنوں کے ارادوں کی فریاد خدا کے حضور میں کرتا ہوں۔
خدا کی قسم، جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں۔
تو اس امر کی پرواہ نہیں کرتا کہ کس بل گرونگا اور کیسے جان دوں گا۔
ذاتِ خداوندی سے بعید نہیں ممکن ہے کہ اگر چاہے
تو گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کو برکت دے اور جوڑ دے ؛

جنگِ احزاب یا معرکہ خندق

بنی نضیر کی معاہدہ شکنیاں اور فتنہ انگیزیاں مدینے کی سرزمین پر مسلمانوں کے لئے ایک مستقل چیلنج سے کم نہ تھیں۔ تحریری معاہدات کے باوجود وہ دشمنانِ اسلام سے سازباز کرتے رہے۔ بڑھتے بڑھتے وہ جنگجوئی کے میدان میں اُتر آئے اور بالآخر شکست کھا کر خیبر کی طرف جلاوطنی پر مجبور ہو گئے۔ خیبر میں بھی اُن کی مسلم آزار سازشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اُنہوں نے مکّہ پہنچ کر قریشِ مکّہ کو گرمایا۔ بنو وائل، بنو کنانہ کے علاوہ مدینہ کے بنو قریظہ کو جن کا رسولِ خدا کے ساتھ معاہدہ تھا، اپنی سازش میں شریک کیا۔ قبائلِ غطفان بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ مذکورہ قبائل کے پچاس بڑے بڑے سرداروں نے خانہ کعبہ میں جمع ہو کر مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کی قسمیں کھائیں۔ ابوسفیان اُن کی فوج کا سپہ سالارِ اعظم مقرر ہوا۔ اور یہ تمام تیاریاں اس قدر خفیہ رکھی گئیں کہ مسلمانوں کو آخری وقت تک اس کی اطلاع نہ ہو سکی۔

ذیقعدہ ۵ھ کو چوبیس ہزار کا یہ لشکرِ جرار جب مدینے کی طرف بڑھا تو رسولِ اکرمؐ نے صحابہ کرام کی مجلسِ مشاورت طلب کی۔ اتنے بڑے، اور خطرناک لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ فیصلہ ہوا کہ مدینے کے گرداگرد خندق تیار کی جائے، اور اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ خندق کی کھدائی شروع ہوئی۔ رسولِ خدا بنفس نفیس ایک مزدور کی طرح دِن رات کھدائی کا کام کرتے رہے۔ فاقہ مستی کے عالم میں پیٹ پر پتھر بندھے ہوتے۔ لیکن زبان پر

را کی حمد و تقدیس کے ترانے جاری رہتے ۔

خندق کی کھدائی میں ایک سخت پتھر آگیا، جو سب کی زور آزمائی کے وجود نہ ٹوٹا۔ آخر میں خدا کا رسولؐ آیا، اور بیلچے کی پہلی ضرب سے ہی پتھر توڑ دیا۔ پتھر سے ایک تیز روشنی نکل سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مخبر صادق نے فرمایا کہ مجھے ملک شام کی چابیاں مل گئیں۔ دوسری ضرب پر پھر روشنی نمودار ہوئی اور رسولِ خدا نے فرمایا کہ مجھے ملک فارس کی چابیاں مل گئیں۔ بیلچے کی تیسری ضرب پر پورا پتھر ٹوٹ گیا۔ اور روشنی کا تیز شعلہ نمودار ہوا۔ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھے ملک یمن کی چابیاں مل گئیں۔

خدا کی شان، کہ اسلام کی مستقبل کی عالمگیر فتح مندیوں کی نوید مخبر صادق کی زبان پر ایک ایسے نازک وقت پر جاری تھی۔ جبکہ اسلام کے جاں نثاروں کی مختصر جماعت جو بیس ہزار مسلح کفار کے لشکر جرار کے نرغے میں تھی جسے موت نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ جب یاس و قنوط کی تاریکیاں چھا رہی تھیں۔ اس وقت اسلامی فتوحات کے طلوع ہونے والے آفتاب عالمتاب کو رسولِ خدا کی نگاہیں صاف دیکھ رہی ہیں ۔

پورے ستائیس دن مدینے کا محاصرہ جاری رہا۔ سرفروشانِ اسلام اپنی بے سر و سامانی اور قلتِ تعداد کے باوجود مردانہ وار ڈٹے رہے۔ ستائیسویں روز تند و تیز آندھیوں کا ایک طوفان اٹھا۔ جس نے لشکرِ کفار کے خیموں کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کی دیگچیاں تک چولہوں پر الٹ گئیں۔ اور اس صورت حال کو بدشگونی قرار دے کر لشکر کفار راتوں رات راہِ فرار اختیار کر گیا۔ قرآن

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہوا فرماتا ہے :۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا (ہم نے دشمنوں کے خلاف وہ آندھی اور لشکر

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا۔ بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے)

امن پسندی کا بے مثال چارٹر

معاہدۂ حدیبیہ

ماہ ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت صلعم چودہ سو صحابہ کرام کی معیت میں بعزم حج مکہ کو روانہ ہوئے۔ قریشِ مکہ نے آنحضرتؐ کی روانگی کی اطلاع پاتے ہی مقابلہ اور جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔ اِس صورتِ حالات کو دیکھ کر امنِ عالم کا علمبردارِ اعظم حدیبیہ کے مقام پر مکہ سے باہر ہی رُک گیا۔ اور قریشِ مکہ کو اطلاع بھیجی کہ وہ جنگ لڑنے نہیں، بلکہ حج کی نیت سے آئے ہیں، اور پر امن طریق پر حج کے بعد واپس لوٹ جائیں گے۔ نامہ وپیام کا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ آخر قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا جس پر فریقین کے دستخط ہوگئے۔ تاریخ میں یہ معاہدہ "معاہدہ حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے، اور اس کی شرائط حسب ذیل تھیں :۔

(۱) مسلمان اس سال عمرہ نہیں کریں گے بلکہ اگلے سال سوائے تلوار کے

جو نیام میں ہو گی، وہ کوئی ہتھیار نہیں رکھ سکیں گے۔ اور نہ ہی تین دن سے زیادہ مکّہ میں قیام کریں گے۔

۲۔ صُلح کی میعاد دس سال ہو گی، اور اس دوران میں کوئی فریق ایک دوسرے کے جان و مال سے متعرض نہیں ہو گا۔

۳۔ عرب کی ہر قوم اور ہر قبیلہ جس فریق سے چاہے گا معاہدہ کر سکے گا ان ہم عہد قبائل پر بھی صُلح کی شرائط اسی طرح نافذ ہوں گی۔

۴۔ اگر قریش میں سے بلا اجازت کوئی مسلمانوں کے پاس جائے گا تو واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی قریش کے پاس چلا آئے گا تو واپس نہیں ہو گا۔

آخری شرط پر مُسلمان کافی جزبز ہوئے، اور بالخصوص حضرت عمرؓ کا تو جوشِ غیرت سے بہت بُرا حال تھا۔ لیکن رسولؐ خدا کے ان الفاظ نے سب کو مطمئن کر دیا:۔

"مَیں اللہ کا رسُول ہوں، اور اس کے حکم کی مخالفت اور بدعہدی نہیں کر سکتا۔ میرا خدا مجھے ہرگز ہرگز ذلیل نہیں کریگا۔"

خالدؓ اور ابنِ عاصؓ آغوشِ اسلام میں

خالدؓ اور ابن عاص کا شمار قریش مکّہ کے ممتاز بہادروں اور سرداروں میں تھا۔ دونوں میں گہری دوستی تھی، اور دونوں اس وقت تک اسلام اور

بانیٔ اسلام کے خلاف پا بہ رکاب چلے آ رہے تھے۔ لیکن اسلام کا جادُو وہ جادو نہ تھا جو کمسکے ان بہادروں کو متاثر نہ کرتا۔

ابنِ عاصؓ نے نجاشی کے دربار میں مظلوم مہاجر مسلمانوں کے خلاف کفارِ مکہ کے ظلم انگیز ارادوں کی ترجمانی اور نمائندگی کی تھی، وہیں اُس نے حضرت جعفرؓ کی سحر آفرین تقریرِ اسلام اور رسُولِ خدا کی حمایت میں سُنی تھی اور اُسی وقت سے عظمتِ اسلام کے سچے نقوش اُس کے دل پر مرتسم ہو گئے تھے۔

خالدؓ وہ دور اندیش سالار تھا جس کی عقابی نگاہوں اور دُور اندیشی نے جنگ اُحد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست سے بدل دیا تھا۔ لیکن صلح حدیبیہ کے فیصلہ میں نمازِ عشاء کے وقت رسُولِ خدا کی زبان سے خدا کا شیریں کلام سُن کر وہ اسلام کی صداقت کا قائل ہو چکا تھا۔

خالدؓ نے اپنے اسلام پسند احساسات کا ذکر جب ابنِ عاصؓ سے کیا۔ وہ پہلے ہی قائل ہو چکے تھے۔ دونوں دوست مل کر عثمان بن طلحہ کے پاس آئے۔ تینوں میں صلاح و مشورہ ہُوا، اور ایک متفقہ فیصلہ طے کر کے بارگاہِ رسالت مآب میں مدینے حاضر ہوئے۔

خدا کا رسولؐ اسلام کی اس دلکش فتح کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا اور بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلا کہ " مسلمانو! مبارک ہو کہ آج مکے نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہمارے سپرد کر دیئے "۔

تاریخ نے فیصلہ کر دیا کہ خالدؓ اور ابنِ عاص آگے چل کر اسلام کی جہانگیریوں اور فتحیابیوں کے بے مثال علمبردار ثابت ہوئے اور تیرہ سو برس

رجانے کے بعد آج بھی اُن کی فتوحات اور معرکۃ الآرا کارنامے زمانے کی

بالوں پہ ہیں ۔

جنگِ موتہ

جمادی الاوّل ۸ھ میں رسولِ خدا نے اُن تمام درباروں میں جو ملکِ عرب کے گرد اگرد واقع تھے دوستی اور مودّت کے خطوط لکھے ۔ اکثر سلاطین کے درباروں میں ان خطوط نے خوشگوار اثر پیدا کیا لیکن بعض سلاطین ایسے بھی تھے جو دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے متاثر تھے ۔ انہوں نے صلح و سلام کے ان پیغامات کا جواب مخالفت اور عداوت کے رنگ میں دیا ۔

حارثؓ بن عمیر اسی قسم کا ایک خط حاکمِ بصریٰ کے نام لے کر جا رہے تھے ۔ وہ بمشکل سرحدِ شام پر موتہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ وہاں کے صوبیدار شرجیل بن عمر غسانی نے جو قیصرِ روم کی طرف سے مقرر تھا ، انہیں گرفتار کر کے شہید کر دیا ۔ دربارِ رسالت مآب میں اس دلخراش حادثہ نے غم و غصّہ کی لہر دوڑا دی اور غسانی حاکم کے اس ظالمانہ اقدام کا مُنہ توڑ جواب دینے کے لئے زید بنؓ حارث کی قیادت میں تین ہزار کا اسلامی لشکر عازمِ موتہ ہو گیا ۔

معان کے مقام پر خبر ملی کہ حاکمِ موتہ ایک لاکھ کا لشکرِ جرّار فراہم کر چکا ہے ۔ اور اس سے کچھ فاصلے پر وادیٔ بلقا میں قیصرِ روم بہ نفسِ نفیس اتنی ہی مزید فوج کے ساتھ خیمہ زن ہے ۔ مسلمانوں میں فکر اور پریشانی کے آثا

نمایاں ہوئے۔لیکن عبداللہؓ بن رواحہ کے جرأت آفریں خطاب نے تین ہزار کی اِس مختصر تعداد کو مرنے مارنے کے لئے ازسرِنو پابہ رکاب کر دیا۔ موتہ مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ ایک لاکھ کے مقابلے میں تین ہزار کی مختصر اسلامی فوج کی معرکہ آرائی تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ تھا۔

زیدؓ بن حارث اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے قلب لشکر میں لڑ رہے تھے۔ وہ لڑتے لڑتے کافی آگے بڑھ گئے اور آخر جام شہادت نوش کیا۔ زیدؓ کے بعد جعفرؓ طیار اور پھر عبداللہؓ بن رواحہ باری باری عَلَم اُٹھا کر لڑے اور شہید ہوتے رہے، اور ان تینوں کے باری باری شہید ہو جانے کے بعد ثابتؓ بن اقرم نے عَلَم اُٹھایا اور حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔

حضرت خالدؓ پہلی دفعہ اسلامی لشکر میں شامل ہوئے تھے لیکن اُن کی جرأت و مردانگی اور جنگجویانہ صلاحیتوں کا سکہ سارے عرب پر بیٹھا ہوا تھا خالد کی قیادت کو لشکرِ اسلامی نے انتہائی جوش اور متفقہ نعروں سے خوش آمدید کہا۔ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت خالدؓ نے لڑائی کا نئے نظام ترتیب دیا، اور لشکرِ کفار پر اس بے جگری سے پے در پے حملے کئے کہ لڑائی کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ خالدؓ نہ صرف منہ توڑ حملوں سے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر رہے تھے، بلکہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلامی لشکر کی صفوں میں پورا ضابطہ قائم رکھا۔ غروبِ آفتاب تک حق و باطل کا یہ معرکہ گرم رہا اور جب آفتاب عالمتاب نے گوشہ مغرب میں اپنا منہ چھپایا، تو لشکرِ کفار نے سر پر پاؤں رکھ کر راہِ فرار اختیار کی۔

اس لڑائی کے دوران میں رسولِ خدا مدینے میں منبر پر جلوہ افروز تھے اور ایک مخبرِ صادق کی حیثیت میں حاضرین کو میدانِ جنگ کے حالات بتا رہے تھے۔ آپ نے میدانِ جنگ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا :-

"تمہارے لشکر نے دشمنوں کا پورا مقابلہ کیا۔ زیدؓ شہید ہوا، اور اللہ نے اُسے بخش دیا۔ اُس کے بعد جعفرؓ نے اسلامی عَلَم اپنے ہاتھ میں لیا۔ دشمنوں نے ہر چہار اطراف سے اُسے نرغے میں لے لیا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہوا۔ خدا نے اُس کو بھی بخش دیا۔ پھر عبداللہؓ بن رواحہ نے اسلامی عَلَم سنبھالا، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوا۔ یہ سب کے سب جنت کی طرف اُٹھا لئے گئے اور تختِ زریں پر متمکن ہیں۔ اِن تینوں کے بعد عَلَمِ اسلامی سیفٌ مِّن سیوف اللہ یعنی خالد بن ولیدؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا، اور لڑائی کی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھال لیا"۔

مکّہ کی فتح

حق و باطل کے معرکے میں جو اسلام کے آغاز سے سرزمینِ عرب میں برپا تھا۔ قریشِ مکّہ کا بغض و عناد قدم قدم پر بروئے کار آیا۔ اُنہوں نے ظلم و ستم کے ترکش کا ہر تیر مسلمانوں پر آزمایا۔ ان کے خلاف نت نئی سازشیں کیں۔ فتنہ و فساد کے نت نئے ہنگامے برپا کرتے رہے۔ اسلام اور اُس کے

نام لیواؤں کو ملیا میٹ کرنے کی بدمستی میں وہ اخلاق اور انسانیت کے ہر
سے رُوگرداں ہوئے۔ معاہدۂ حُدیبیہ جس پر قریش کے ممتاز سرداروں
دستخط تھے اُن کی بدباطنی اور شقاوت ازلی کا شکار ہوئے بغیر نہ رہا۔ معاہدہ
کی رُو سے عرب کا ہر قبیلہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہے سمجھوتہ کر سکتا
تھا۔ اور مذکورہ ہم عہد قبائل پر بھی صلح کی شرائط بعینہٖ نافذ تھیں۔ اس
معاہدہ کی رُو سے صُلح کی میعاد دس سال طے ہو چکی تھی ؛

ابھی اس معاہدے کو دو سال پورے نہ ہوئے تھے کہ قریش مکہ
ہم عہد بنو بکر نے مسلمانوں کے ہم عہد قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ سرداران قریش
کا فرض تھا کہ معاہدۂ حدیبیہ کے احترام میں بنو بکر کو اس عہد شکنی سے روکتے
لیکن ستم بالائے ستم ملاحظہ ہو کہ قریش کے وہ سردار بھی جن کے معاہدہ نامہ
پر دستخط تھے۔ نقاب پوش بن کر بنو بکر کی حمایت میں شمشیر بکف نکل آئے
مظلوم بنو خزاعہ نے معاہدے کا واسطہ دیا۔ خدا کا نام لے کر رحم کی بھیک
مانگی۔ خانہ کعبہ میں جہاں پر قتل ناروا ہے پناہ تلاش کی لیکن بنو خزاعہ
رسُولِ خدا کے ساتھ رابطۂ اتحاد اور مسلمانوں سے ہم عہدی وہ جرم سمجھا گیا
جس کے بدلے بنو خزاعہ کا جو فرد ملا بے دریغ تہ تیغ کر دیا گیا۔ خانہ کعبہ
تک کی حُرمت نظر انداز کر دی گئی ؛

بنی خزاعہ کے چند بچے کھچے افراد بھاگ کر مدینے پہنچے۔ اُن کی مظلومانہ
پُکار سے مدینے کے در و دیوار کانپ گئے۔ بارگاہ رحمۃ للعالمین میں ایک سکتے
کا عالم تھا ؛

معاہدہ شکنی اور پھر ظلم و ستم کی انتہا۔ معاہدہ کی رُو سے بنو خزاعہ کی امداد مسلمانوں پر لازمی تھی۔ قریشِ مکہ نے نہ صرف معاہدۂ حدیبیہ کی دھجیاں فضا میں بکھیر دی تھیں۔ نہ صرف معاہدانہ تعلقات کا احترام خاک میں ملا دیا تھا۔ بلکہ یہ فدایانِ اسلام کی غیرت کو ایک کھلا چیلنج بھی تھا۔ توحید کے غیور و جسور فرزندوں نے اس چیلنج کو قبول کر لیا۔

۱۱۔ رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار سرفروشانِ اسلام کا لشکرِ جرار مدینے کی جانب اس کرّ و فر کے ساتھ روانہ ہوا کہ مدینے کے بدباطنوں پر ایک لرزہ طاری ہو گیا۔ ابوسفیان نے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر لشکرِ اسلام کی یہ عظمت و شان دیکھی۔ خدائے ذوالجلال کی شانِ جلال کو اس رنگ میں دیکھ کر اس کی رُوح کانپ اٹھی۔ خدا کا وہ رسُول جس کے خلاف قریشِ مکہ کی خوئے ظلم انگیز اپنی حسرتیں اور ارمان پورے کر چکی تھی، آج کفر کے لئے پیامِ موت بن کر نمودار ہوا تھا۔ مکہ کے مظلوم عاجز جنہیں خدا پرستی کے جرم میں گھروں سے نکالا گیا تھا۔ مکے کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے توحید کے پرچم اڑاتے آگے بڑھ رہے تھے۔

ایک عجیب سماں تھا جسے دیکھ کر ابوسفیان کے دل پر خدا کی عظمت اور جلال کا سکہ بیٹھ گیا۔ حضرت عمرؓ کی چمکتی ہوئی تلوار بھی اُسے بارگاہِ رسالت مآب تک پہنچنے سے نہ روک سکی۔ ندامت اور پشیمانی کی مکمل تصویر بن کر وہ رحمۃ للعالمین کے دربار میں گردن جھکائے کھڑا تھا۔

وَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ

رحم و کرم کے سمندر سے لہریں اٹھیں اور آواز سنائی دی :-
لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

دوسری صبح مختلف دستوں میں تقسیم ہو کر لشکر اسلام مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوا۔ سب کے نام ہدایات تھیں کہ :-

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے
۲۔ جو شخص خانہ کعبہ کے اندر ہو اُس سے تعرض نہ کیا جائے۔
۳۔ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ رہے۔ اُسے بھی کچھ نہ کہا جائے۔
۴۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ گزین ہو اُسے بھی چھوڑ دیا جائے۔
۵۔ حکیم بن حزام کے گھر پناہ گزین کو بھی معاف کر دیا جائے۔
۶۔ بھاگ جانے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔
۷۔ کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔
۸۔ کسی قیدی پر تلوار نہ چلائی جائے۔

خالدؓ بن ولید کے دستے کے سوا سب دستے بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے۔ اس دستے کی مزاحمت کی گئی، جس کے نتیجے میں دو مسلمان اور اٹھائیس کفار کام آئے۔

رحمۃ للعالمین سیدھے بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ ایک ایک گوشے میں کھڑے ہو کر توحید کا نغمہ الاپا اور تکبیر کا ترانہ گایا۔ ایک ایک بُت کو چھڑی کی نوک سے گرایا، اور آخر میں فرطِ تشکر سے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے۔

مکّے کی پوری آبادی ایک مجرم کی طرح سر جھکائے سامنے کھڑی تھی۔ یہی تھے ظلم و بغاوت کے پتلے، جنہوں نے خدا کے سچے رسُول اور اُس کے جاں نثاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ انہیں گھروں سے نکالا تھا۔ حبش اور مدینے تک پہنچ پہنچ کر انہیں ستانے کی کوششیں دن رات جاری رکھی تھیں۔ دھوکے اور فریب سے رسُول خدا کے عزیز ساتھیوں اور توحید کے مبتعوں کو خاک و خون میں تڑپایا تھا۔ مدینے پر بار بار لشکر کشی کی تھی۔ خدا کے رسُول کو وہ وہ ایذائیں پہنچائی تھیں کہ خدا کا عرش زلزلے میں آ گیا تھا۔

ہاں یہی بدبخت اور ظالم آج عفو و کرم کے طالب بن کر مجرموں کی طرح کھڑے تھے۔ خدا کا رسُول آج فاتح اور غالب کی حیثیت میں ان کے سامنے تھا۔ اُس کا ادنیٰ اشارہ مکّے کی اینٹ سے اینٹ بجانے اور خون کے دریا بہانے کے لئے کافی تھا۔ اُس کے ایک حکم پر ہزاروں سر تن سے جدا ہو جاتے ہزاروں لاشے خاک و خون میں تڑپ جاتے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جاتے ظالموں کی بستی خاک کا ایک ڈھیر نظر آتی۔ دُنیا کا کوئی اور فاتح ہوتا تو مکّے کے ظالموں اور سرکشوں کو وہ سزا دیتا کہ زمین کانپتی اور آسمان لرز اُٹھتا۔

مگر خدا کا رسُول سکندر اعظم اور جولیس سیزر نہیں تھا۔ وہ خدا کا آخری نبی، دُنیا کا ہادیِ اکبر، توحید کا علمبردارِ اعظم اور رحمۃ للعالمین تھا۔ اس کے دامن میں لطف و کرم کے سمندر موجزن تھے۔ اُس کے چہرے پر شانِ رحمت کی مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں۔ وہ اُٹھا اور سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اے گروہِ قریش! آج تمہارے جاہلانہ غرور اور نسلی عزت و جاہت

پر ازرائے کے گھمنڈ ٹوٹ گئے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور آدمؑ مٹی سے بنایا گیا۔ خدا نے ہمیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پہچان کے لئے ذاتوں اور قبیلوں سے معنون کر دیا۔ اور خدا کے ہاں وہی قابلِ عزت ہے جو خدا کا خوف رکھتا ہے ۔

جاؤ۔ تم سب آزاد ہو۔ اور آج تم پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں"۔

معرکۂ حنین

فتحِ مکہ اور قریش کے جوق در جوق داخلِ اسلام ہونے سے عرب کے اسلام دشمن قبائل میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ فتح مکہ کے بعد اسلامی لشکر اُن پر حملہ آور ہوگا۔ اِس لئے بنو ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار کر لیا۔ بنو نصر، بنو جشم اور بنو سعد کے قبائل بھی اُن کی حمایت میں پابہ رکاب ہو گئے۔ اِس لشکر کے مقام اوطاس پر اجتماع کی خبریں مکہ میں پہنچیں، اور تحقیق کے بعد بارہ ہزار کا لشکر لے کر رسولؐ خدا لشکرِ کفار کے مقابلے کو بڑھے۔ رات کے اندھیرے میں اسلامی فوج تہامہ اور حنین کی وادیوں سے گزرتی ہوئی وادیٔ حنین کی طرف بڑھی لیکن لشکرِ کفار گھاٹیوں میں گھات لگا

بیٹھا تھا، اور نور کے تڑکے جب کہ لشکرِ اسلام خطرے سے بے خبر وادیٔ حنین کے نشیب کی طرف اُتر رہا تھا۔ دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑا۔

یہ حملہ اس قدر آناً فاناً اور بے خبری میں ہوا۔ کہ اسلامی فوج میں پریشانی اور ابتری پھیل گئی۔ لیکن رسولِ خدا اپنے سرفروشوں کے ایک مختصر سے دستے کے ساتھ پہاڑ کی طرح مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اُنہوں نے بلند آواز سے منتشر مسلمانوں کو اپنی طرف بلایا، اور دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ منتشر اور بھاگتے ہوئے مسلمان اپنے پیارے نبیؐ کی زندگی بخش آواز سن کر از سرِ نو میدان میں ڈٹ گئے۔ اور اس بے جگری سے حملہ کیا کہ لشکرِ کفار اپنے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلا۔ اس کے سپہ سالارِ اعظم مالک بن عوف نے بھی طائف کی جانب راہِ فرار اختیار کی، اور اس طرح رسولِ خدا کی بے مثال پامردی، شجاعت اور استقلال نے مسلمانوں کی شکست کو ایک عظیم الشان فتح میں بدل دیا۔ چھ ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ، اور اس سے کہیں زیادہ بھیڑ بکریوں کے علاوہ چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے حصے آئی۔ مالک بن عوف کا قلعہ اور قلعۂ اطم جو طائف کی راہ میں تھے مسمار کر دیئے گئے۔ محاصرۂ طائف کے دوران میں کئی وفد طلبِ عفو کے لئے حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے حلیمہ سعدیہ تک کے ہم قبیلہ ہونے کا واسطہ دیا۔ جس سے متاثر ہو کر معرکۂ حنین کے چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔

عدی بن حاتمؓ آغوشِ اسلام میں

معرکۂ حنین کے بعد قبیلۂ بنی طے نے علمِ بغاوت بلند کر دیا حضرت علیؑ نے اس علاقہ پر حملہ کیا۔ قبیلہ کا سردار عدی جو مشہور سخی حاتم طائی کا فرزند تھا، بھاگ نکلا۔ لیکن اُس کی ہمشیرہ دیگر اہلِ قبیلہ کے ساتھ گرفتار ہوئی رسولِ خداؐ کو جب معلوم ہُوا کہ وہ مشہور سخی کی بیٹی ہے، تو آپ نے اس کی بے حد عزت افزائی کی، اور اُسے دیگر معتقین کے ساتھ رہا کر کے انتہائی اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا ؎

عدی نے اپنی عقیل و فہیم ہمشیرہ سے رسولِ خداؐ کی تعریف میں جو کچھ سُنا، وہ اُس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اور وہ شام سے چل کر بارگاہِ نبوی میں آ حاضر ہُوا۔ مناسب تعارف کے بعد رسولِ خداؐ نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :-

"عدی! کیا مسلمانوں کی غربت تجھے اسلام لانے میں مانع ہے؟ واللہ ان کے پاس اِس قدر مال آنے والا ہے کہ کوئی شخص مال لینے والا باقی نہ رہے گا۔

عدی! شاید مسلمانوں کی قلّتِ تعداد، اور دشمنوں کی کثرت تمہیں اسلام لانے سے روک رہی ہے! بخدا! وہ وقت قریب ہے جب تُو سُن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ (ایران) سے چل کر مکے کا حج کرے گی

اور اُسے کسی کا ڈر نہ ہو گا۔

عدی! شاید اس دین میں داخل ہونے میں یہ امر مانع ہو کہ حکومت اور سلطنت آج دوسری قوموں کے پاس ہے۔ خدا کی قسم وہ وقت قریب آگیا ہے جب تو سُنے گا کہ ارضِ بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

عدی! تم بتاؤ کہ لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ کہنے میں تجھے کیا تامّل ہے۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہو سکتا ہے؟

عدی بتاؤ کہ اللہ اکبر کہنے میں تجھے کیا عذر ہے کیا اللہ سے بھی کوئی بڑا ہے؟"

عدی کہتا ہے کہ "رسُول خدا کے اس حُسنِ خطابت اور زورِ صداقت نے مجھ پر جادُو کر دیا۔ مَیں مسلمان ہو گیا۔ میرے اسلام لانے سے رسُول خدا کے چہرے پر فرحت و انبساط کی سُرخی دوڑ گئی۔

ہاں عدی کا اپنا اعتراف ہے کہ " مذکورہ ارشادِ نبوی کے بعد ابھی تیسرا سال پورا نہیں ہوا تھا کہ رسُول خدا کی پیشگوئیوں کو مَیں نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا۔ ارضِ بابل کے سفید محلات پر مَیں نے مسلمانوں کا قبضہ ہوتے دیکھا۔ مَیں نے وہ بڑھیا بھی دیکھی، جو حج کے ارادے سے قادسیہ سے مکّے کو آ رہی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ تیسری پیشگوئی بھی عنقریب پوری ہو کر رہے گی۔"

آخری نبی کا آخری حج

ہجرت کے دسویں سال تاجدارِ عرب نے حج کا ارادہ کیا۔ یہ خبر ملک کے طول و عرض میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ عرب کے ہر حصے سے شمعِ اسلام کے ہزاروں پروانے فوج در فوج سرزمینِ مکہ میں جمع ہو گئے۔ عرب کا مایۂ ناز دُرِّ یتیم حج کی ضروری رسوم سے فارغ ہو کر عرفات کے میدان میں پہنچا۔ وہی زمین جہاں کبھی دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے۔ جہاں کوئی انسان خدا کا پیغام سُننا پسند نہ کرتا تھا۔ اسلام کے ڈیڑھ لاکھ دیوانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر محبوبِ خدا کی زبان فیض ترجمان سے کلمات طیبات سُننے کا منتظر تھا۔ رسولِ خدا نے پہاڑی پر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ توحید کے پرستاروں کو حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے پایا۔ اس دلفریب نظارے کو دیکھ کر رحمۃ للعالمین کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹیں نمودار ہوئیں۔ اور آپ نے اپنا تاریخی اور یادگار خطبہ شروع کیا۔ فرمایا:۔

"لوگو! میرا خیال ہے کہ ہم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہو سکیں گے۔ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے کہ آج کے دن اس شہر اور اس مہینے کی حرمت تمہارے دلوں میں۔ لوگو! تم عنقریب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو گے۔ جہاں تمہارے اعمال کے متعلق سوال کیا جائیگا

میرے بعد گمراہ نہ ہونا، اور نہ ایک دوسرے کا خون بہانا۔ جہالت کی رسوم کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں زمانہ جاہلیت کے تمام جھگڑوں کو ملیامیٹ کرتا ہوں . . . .
زمانہ جاہلیت کا تمام سود ملیامیٹ کرتا ہوں . . . . .
مسلمانو! میں تم میں اللہ کی وہ کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں، کہ اگر اُسے مضبوط پکڑ لو گے، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یاد رکھو کہ میرے بعد نہ تو کوئی پیغمبر آئے گا اور نہ نئی اُمت اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پنج وقتہ نماز، ماہِ رمضان کے روزے اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ خدا کے گھر کا حج کرو۔ اولیائے امور کی اطاعت کرو۔ یقیناً تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے ۔"

وائے انسانیت موت کے دروازے پر

موت تقاضائے فطرت ہے۔ زندگی مجبور ہے کہ اس سنسان وادی سے گزرے۔ خدا کے سب سے آخری اور محبوب پیغمبر کو بھی اس مقام سے گزرنا پڑا۔ ماہ صفر ۱۱ھ کے آخری ایام تھے جب کہ آنحضرت صلعم ایک جنازے سے واپس ہو رہے۔ آپ کو تپ شدید سے دوچار ہونا پڑا۔ بخار کی حالت میں جسم مبارک آگ کی طرح جل رہا تھا۔ لیکن مسجد میں برابر پہنچتے رہے، اور گیارہ

دن تک اسی حالت میں تمام نمازوں کی امامت کرائی۔

رحلت سے پانچ دن پہلے آنحضورؐ نے ایک مخضب میں بیٹھ کر سات کنوؤں کا پانی مشکوں سے سر پر ڈلوایا۔ اور اس طرح جب طبیعت سکون پذیر ہوئی، تو مسجد میں تشریف لائے۔ نماز سے قبل حاضرین کو ضروری نصیحتیں فرمائیں اور اس امر پر بار بار زور دیا کہ نصرانیوں اور یہودیوں کی طرح کسی پیغمبر اور نبی کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنایا جائے۔ ایسی مشرک قوموں کے لئے خدا کے عذاب سے پناہ نہیں۔

نماز کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا:
"میں تم کو انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ میرے جسم کے پیرہن اور زادِ راہ بنے رہے۔ انہوں نے اپنے واجبات کی کماحقہٗ تکمیل کی، اور اب ان کے حقوق تمہارے ذمّے باقی ہیں۔ ان میں سے اچھا کام کرنے والوں کی قدر کرنا اور غلطی کرنے والوں سے درگزر کرنا"۔

پھر فرمایا: — "ایک بندے کے سامنے دُنیا و مافیہا کو پیش کیا گیا مگر اُس نے آخرت ہی کو اختیار کیا"۔

صدیق اکبرؓ سمجھ گئے کہ آنحضورؐ اپنے سفرِ آخرت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے بے ساختہ کہا کہ "ہمارے ماں باپ اور جان و مال حضور پر قربان ہوں"۔

اگلے روز مرض شدت اختیار کر گیا۔ اسی حالت میں آپ نے وصیت فرمائی: —

۱۔ یہود کو عرب سے باہر نکال دیا جائے۔

۲۔ وفود کا اعزاز اور مہمانی معمولِ نبویؐ کی طرح قائم رکھی جائے۔

اس روز نمازِ عشاء کے وقت تین بار مسجد میں جانے کا عزم فرمایا لیکن ہر بار بیہوش ہو ہو گئے۔ اور آخر فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ آپ کی حیاتِ پاک کے دوران میں صدیق اکبرؓ نے سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔

دوشنبہ (یوم وفات) کی صبح کو مسجد نبوی میں فجر کی نماز ہو رہی تھی، ساری دنیا سے کٹ کر ایک خدا سے رشتہ جوڑنے والے مالکِ ذوالجلال کی بارگاہِ اجلال میں سربسجود ہو رہے تھے۔ عالمِ انسانیت کی بہترین امت کے بہترین انسان خدائے لایزال کے حضور میں عقیدت و عبودیت کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔ کفر و شرک کی دنیا میں توحیدِ ربانی کا ایک دلفریب اور روح نواز منظر قائم تھا، جبکہ سرورِ کائنات نے شدّتِ مرض کے عالم میں حجرے کا پردہ اُٹھایا۔ اور مسجدِ نبوی کے اِس عظمت آفرین نظارہ پر نظر ڈالی۔ تئیس برس کی جان توڑ جدوجہد کا سرور انگیز پھل نگاہوں کے سامنے تھا، اور اسے دیکھتے ہی رُخِ انور پر سرور و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ ہونٹوں پر بہار آفریں مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ چہرۂ مبارک قرآن پاک کا جیتا جاگتا ورق معلوم ہوتا تھا۔

صحابہؓ نے آقائے محبوب کو اس رنگ میں دیکھا، اور دیکھتے ہی شوق و اضطراب کی وارفتگی طاری ہو گئی۔ سب کی آرزو تھی کہ یہ ساعتِ سعید قیامت تک ختم نہ ہو۔ آخر آپ نے صدیق کو نماز پڑھانے کا اشارہ فرمایا، اور اس کے ساتھ ہی پردہ چھوڑ دیا۔

چاند آخری دفعہ بدلیوں سے جھانکا، اور پھر بدلیوں میں چھپ گیا!
آہ! اس کے بعد دُنیا کے سب سے بڑے اور آخری نبیؐ پر کسی دُوسری نماز کا وقت نہ آسکا!

پھر سیدۂ فاطمۃ الزہرا، حسنؓ، حسینؓ اور ازواجِ مطہرات سب کو باری باری قریب بلایا۔ سب کو ضروری نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ اس کے بعد نزع کی حالت طاری ہوگئی۔ اسی حالت میں عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر کے ہاتھ میں مسواک دیکھی۔ اُسے لیا۔ مسواک کرنے کے بعد ہاتھ کو بلند فرمایا اور زبانِ مبارک سے فرمایا:۔ "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی!"

یہ ہاتھ کی آخری حرکت تھی۔ اور زبانِ فیض ترجمان کے آخری الفاظ تھے۔ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ یوم دوشنبہ اور چاشت کا وقت تھا جبکہ آفتابِ نبوت رشد و ہدایت کی لازوال کرنوں سے کفر و باطل کے اندھیرے ختم کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دُنیا سے رخصت ہوگیا!

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخَالِدُوْنَ

سانحۂ ارتحال کے بعد

سرورِ کائنات اور فخرِ موجودات کی وفاتِ حسرت آیات تاریخِ انسانی کا بے مثال حادثہ تھا۔ روحانیت کا وہ تاجدارِ اعظم دُنیائے فانی سے رخصت

رہا تھا۔ جس نے دم توڑتی اُمتوں کو از سرِ نو چشمۂ آبِ حیات کے کنارے لا
کھڑا کیا تھا۔ اُس رحمۃ للعالمین نے رحلت فرمائی تھی جس کی رحمۃ للعالمینی
ساون اور بھادوں کے ابرِ رحمت کی طرح جھوم جھوم کر برسی اور خزاں رسیدہ
گلشنوں میں کشتِ نو بہار کا سماں پیدا کر گئی۔ وہ پیغمبرِ آخر الزماں عالمِ آخرت
کو سدھار رہا تھا۔ جس کی معجز نمائیوں نے عرب و عجم کی تقدیریں بدل ڈالی تھیں
ہاں! اُس عظمت آفریں رسول کے سانحۂ ارتحال پر مدینے کے بازاروں
میں قیامت کا سماں بندھ گیا۔ فاطمۃ الزہراؓ کی زبان پر یہ نوحہ جاری تھا:۔

"محبوب باپ نے دعوتِ حق کو لبیک کہا۔ اور
فردوسِ بریں میں نزول فرمایا۔ آہ! جبرائیلؑ کو اُن کی
رحلت کی خبر کون پہنچائے"

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی دردبھری پکار سنائی دے رہی تھی:۔

"دریغا! وہ نبیؐ جس نے فقر کو غنا پر اور مسکینی کو تونگری پر
ترجیح دی۔
جو اُمتِ عاصی کے فکر و غم میں کبھی پوری نیند نہ سویا۔
جس نے ہمیشہ عزم و استقلال سے نفس کی جنگ لڑی۔
جس کے ضمیرِ منیر پر دشمن کی ایذا رسانیوں سے ادنیٰ غبار نہ بیٹھا
جس کے موتی جیسے دانت توڑے گئے اور جس کی پُر نور
پیشانی زخمی کی گئی۔
آج . . . . . دُنیا سے رخصت ہو گیا"

صحابہ کرامؓ کے چہروں پر فرطِ غم سے زردی چھائی ہوئی تھی۔ ہر ایک سرا[illegible]
کے عالم میں ششدر کھڑا تھا۔ فاروق اعظمؓ اندوہ و ملال سے دیوانے ہو گئے
اسی درماندگی کے عالم میں وہ ننگی تلوار لئے کھڑے تھے اور پکار رہے تھے ۔ کہ
کوئی کہے گا کہ محمدؐ مر گئے، اُس کی گردن تلوار سے اُڑا دوں گا۔ صدیق اکبرؓ
سے باہر گئے ہوئے تھے دیوانہ وار پہنچے۔ چہرۂ مبارک سے کپڑا اُٹھایا۔ مُنہ
مُنہ لگایا۔ پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں ؏

اس کے بعد باہر آئے اور تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ:

"تم پر واضح ہو کہ اگر کوئی شخص محمد صلعم کی عبادت
کرتا تھا تو وہ رحلت فرما گئے۔ اور جو کوئی اللہ کی عبادت
کرتا تھا تو بیشک اللہ زندہ ہے اور اُسے موت نہیں"؏

پھر قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی :۔

ترجمہ :۔ "محمدؐ تو ایک رسول ہیں۔ اُن سے پہلے بھی رسول آ[illegible]
اگر وہ مر گئے یا شہید ہو گئے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے! اور جو کوئی ا[illegible]
کرے گا، وُہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور خدا اپنے شکر گزار بندوں کو جزا[illegible]
والا ہے ؏"

آفتابِ رسالت کی روشنی میں

ساڑھے تیرہ سو برس گزر گئے لیکن تاریخ کی پیشانی آج بھی بدستور[illegible]

ے دُرِ یتیم کی عظمتِ کردار کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ عرب و عجم کی مائیں ہزاروں
ں کی تاریخ میں اُس فقید المثال اور نادرالوجود شخصیت کا نقش ثانی پیدا نہ کر
ایں جو حلیمہ سعدیہ کی آغوش میں دودھ پی کر پروان چڑھا۔ اور انسانیت کے
سمان پر آفتابِ عالمتاب بن کر چمکا۔ اس کے قدموں کی ایک ایک ٹھوکر سے
لت اور عمل کے حیات آفریں چشمے پھوٹ نکلے۔ اس کے لطف و کرم کے
دل جھوم جھوم کر برسے اور مشرق و مغرب کی سوکھتی ہوئی کھیتیوں میں رنگِ بہار
یدا کر گئے۔ وہ تہذیب و تمدن اور اخلاقیات کے لازوال اصول لے کر
یا۔ اُس نے اعمال و کردار کے نئے ضابطے اور معاشرے اور روحانیات کی
ئی نئی قدریں قائم کیں۔ زندگی کے اٹل اور زندہ جاوید نظریات کا سنگِ
نیاد رکھا۔

وہ ایک جہاں گیر اور عالم آرا سیاست کا علمبردار تھا۔ اور اس آسمانی
سیاست کے زور پر اُس کے جانشینوں نے مشرق و مغرب کی تقدیریں بدل
دیں۔ عرب کے چاند کی رُوحانی تنویروں کے سامنے ایران و روما کے چراغ
ماند پڑ گئے۔ یتیمی کی حالت میں وہ بے یار و مددگار اُٹھا۔ پیامِ فطرت کا علمبردار
اعظم بن کر اُٹھا۔ اُس نے ساری خدائی کو خدائے ہالیان کے آخری قانون پر
متفق الخیال اور متحد العمل کرنا تھا۔ ہزار در ہزار فرقوں، گروہوں، قبیلوں اور
پارٹیوں میں تقسیم در تقسیم انسانوں کو ایک خدا، ایک کعبہ، ایک قرآن اور ایک
رسُول کی توحید پر لانا تھا۔

یہ ایک آسمان توڑ فرض تھا۔ مشکلات و موانعات کے پہاڑ سامنے تھے

یہ راہ کانٹوں سے بھر پور تھی۔ قدم قدم پر بغض و عناد کے تیروں، حسد اور ضد کے نشتروں کا سامنا تھا۔ ہر منزل پر شرک اور تعصب کے پتھروں کی بارش تھی۔ کفر و طغیان کے سیلابی لشکروں سے ٹکراؤ تھا۔

لیکن درود و سلام کے کروڑ در کروڑ پھول نچھاور ہوں آمنہ کے اس یتیم لال پر۔ وہ کالے کوسوں کی ان کٹھن راہوں پر دیوانہ وار بڑھا۔ کفار مکہ کے ترکش کے سارے تیر اُس کا سینہ چھلنی کرتے ختم ہو گئے۔ خداوندان طائف اُسے لہو لہان کرنے کے لئے سرزمین طائف کا آخری پتھر تک آزما ڈالا۔ اُحد، حنین، احزاب، ہوازن — قدم قدم پر ان محاربوں اور مقاتلوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

تند و تیز آندھیاں اُٹھیں۔ حوادث کی بجلیاں چمکیں۔ یاس و قنوط کی طوفان خیز اور تیرہ و تار گھٹائیں پھیلیں۔ لیکن عرب کا چاند ہر حالت میں مسکراتا رہا۔ رسالت کی شمع بہر حال ضوفشاں رہی۔ پروانے جلتے رہے جل جل کر قربان ہوتے رہے۔ کفار مکہ کی پھونکیں اس شمع کو بجھا نہ سکیں۔ عرب کا ذرہ ذرہ اس کی نور پاشیوں سے جگمگا اُٹھا۔ مدائن کے قصر ابیض میں انطاکیہ کے ایوانوں میں، دجلہ و فرات کے کناروں پر، دُنیا نے ہر جگہ اس چراغ کی روشنی میں رشد و ہدایت کی منزل تلاش کی۔

عرب کا چاند دوستوں اور دشمنوں پر برابر نور پاشیاں کرتا رہا۔ فتح مکہ کے دن جب وہ مکہ کے بدترین دشمنوں پر فتح و نصرت کے اُفق سے چمکا تو اس کی ایک ایک کرن لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کا رحمت بھرا اعلان

اُس کے لطف و کرم اور بخشش و عطا کے سمندر سے ہر تشنہ لب سیراب ہُوا۔ اُس نے ابُوسفیان جیسے جانی دشمن معاف کر دیئے۔

اُس کی کامیابی تاریخ انسانی کی بے مثال کامیابی تھی سکندر اعظم اور چنگیز جیسے فاتح اُس کی لازوال کامیابیوں کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ اپنی قسم کا پہلا نقش تھا کہ نجاشی والیٔ حبش، جیفر مالکِ عمان، اکیدر شاہ دومۃ الجندل، نجد کے وحشیوں، تہامہ کے بدوؤں اور یمن کے مسکینوں کے شانہ بشانہ اُس کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے۔ عثمان بن طلحہ، ورقہ بن نوفل، اور عبداللہ بن سلام نذریجاً ابراہیمیت، عیسائیت اور یہودیت کی مسندہائے امامت کو چھوڑ کر پیغامِ اسلام ہونے پر ناز کر رہے تھے۔ عمروؓ بن عاص جو شاہ حبش کے دربار میں دشمنانِ اسلام کا نمائندہ بن کر گیا تھا، شاہ عمان کے دربار میں داعیٔ اسلام بن کر داخل ہوا۔ جنگ احد میں کفارِ مکہ کا کمانڈر خالدؓ بن ولید آخر ایک دن لات و عزیٰ کے بتوں کو گراتا اور ایران و روما میں اسلام کی فتح کے جھنڈے گاڑتا دیکھا گیا۔ طائف کا سردار عبد یالیل جس کے اشارے پر سرورِ کائنات پتھروں سے لہولہان کئے گئے تھے، آخر ایک دن اپنی پوری قوم کے ساتھ اسلام کے آستانۂ عظمت پر سرِ تسلیم خم کر رہا تھا۔ امیر حمزہؓ کا قاتل وحشی رسولِ خدا کے عفوِ عام سے فیض یاب ہو کر اسلام کی جنگیں لڑتا رہا، اور آخر اُس کا حربہ مسیلمہ کذاب کے جسم سے پار ہوا۔ کفارِ مکہ کا کماندارِ اعظم ابوسفیان مسلمان ہو کر نجران کا اسلامی حاکم مقرر ہوتا ہے۔

فتحمندیوں کی یہ داستان تاریخ عالم کی سب سے انوکھی داستان ہے

عرب کا ایک بے یارو مددگار بچہ یتیمی کی حالت میں اسلام کا پرچم لے کر اٹھا
مخالفت کے طوفانوں میں وہ اپنے سفینے کو لئے ساحلِ مراد کی طرف بڑھتا چلا گیا
اور دُنیا نے دیکھا کہ جب وُہ دُنیا سے رخصت ہو رہا تھا، تو اُس کی قائم کردہ
سلطنت کا پرچم پورے عرب پر لہرا رہا تھا۔ اُس کی فتوحات کا سیلاب مشرق
میں سلطنتِ ایران اور مغرب میں سلطنت روما سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ اپنے جانشینوں
کے لئے تسخیر عالم کے دروازے کھول گیا۔ اور ایک دِن دُنیا نے اسلامی
عظمت کے جھنڈے ساحلِ چین سے لے کر الجزائر اور اُندلس کے مغربی
کنارے تک لہراتے ہوئے دیکھے۔

آئینِ فطرت کا آخری پیغام تھا۔ انسانیت کے لئے زندگی کا
اُسوۂ حسنہ تھا۔ ازواجِ مطہرات کے درمیان خانگی زندگی میں، میدانِ جنگ
کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں، علم و حکمت اور فلسفۂ سیاست کی مجلسوں میں
رموزِ مملکت اور امورِ سلطنت میں ـــ نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں وہ
قیادت اور رہنمائی کا بے مثال اور قابلِ تقلید نمونہ تھا۔ ہر میدان میں اُس
کی قیادت ازلی اور ابدی خصوصیت کی علمبردار تھی۔ وہ ایک بہترین شوہر
بہترین باپ، بہترین دوست، بہترین کمانڈر، بہترین حاکم، بہترین
مدبّر، سیاستِ مدن کا بہترین عالم، روحانیات کا بہترین ماہر، اقتصادیات
کا بہترین اُستاد، علم و حکمت کا بہترین رازدان اور بالآخر خدا اور اُس
کے بندوں کے درمیان عرفان کا بہترین رشتہ ثابت ہُوا۔ وہ تاریخ کے
صفحات پر ایسے لازوال اور زندہ جاوید نقوش چھوڑ گیا جو گم کردہ راہ امتوں

ے لیے رشد و ہدایت کا ضَو فشاں مینار ہیں۔ یورپ کا خوددار، باوقار اور عصرِ حاضر کا عظیم فلسفی جارج برنارڈ شا امنِ عالم کے معماروں کو آج بھی یہ پیغام دیتا سُنا جاتا ہے کہ:—

"اگر تم نیک نیتی سے مظلوم انسانیت کو ایٹم کی ہلاکت خیزیوں اور جنگوں کی مسلسل ہولناکیوں سے نجات دلانا چاہتے ہو۔ تو محمد (مصطفیٰ) کی ڈکٹیٹرشپ پر غیر مشروط طور پر ایمان لے آؤ۔"

--- ❊ ---

خلافتِ صدیقی
سنہ ۱۱ھ تا سنہ ۱۳ھ

خیرالامم کا امیرِ اوّلین

دُنیا کی بہترین اُمت کے بانی کی رحلت نے اُن کی جانشینی کے مسئلہ کو کافی نمایاں کر دیا جس قوم کا نصب العین روئے زمین پر دینِ فطرت کا غلبہ قرار پایا تھا، ضروری تھا کہ اُس کا پہلا امیر آخری نبی کا بہترین جانشین ثابت ہو۔ وہ اُن تمام صلاحیتوں سے مالا مال ہو جو خدا کے دین کو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں جہانگیر بنا سکیں۔ سرورِ کائنات کے سانحۂ ارتحال نے بڑے بڑے جلیل القدر صحابیوں کے دل و دماغ ماؤف کر دیئے تھے۔

ایک صدیقؓ تھے جو اندوہ و ملال کے اس طوفان میں ماحول کی نزاکت کا کما حقہٗ احساس کر رہے تھے۔ وہی تھے جن کی قوتِ شعور اور اندازِ فکر اس طوفان میں بھی مسلمانوں کو ان کے حقیقی فرض کی یاد دلا رہے تھے۔ وہی تھے جنہوں نے آنسوؤں اور آہوں کی قیامت خیز گھڑی میں مسلمانوں کے سامنے اِس زندگی بخش مسئلہ کی حقیقت کشائی کی کہ مقصدِ حیات خدائے حیّ قیوم کے دین کو دُنیا میں قائم اور غالب رکھنا ہے۔ یہ مقصد رسولِ خدا کی

رحلت کے بعد بھی بدستور موجود ہے، اور جب تک آدمؑ کی اولاد زندہ ہے موجود رہے گا۔ مسجدِ نبوی میں ان کی تقریر نے ایک دفعہ پھر مسلمانوں کو حزن ملال کے طوفان سے نکال کر غور و فکر کی وادی میں لا کھڑا کیا تھا۔

مسجدِ نبوی میں صدیقِ اکبرؓ کی حیات انگیز تقریر ابھی بمشکل ختم ہوئی تھی کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصارِ مدینہ کے اجتماع کی خبر پہنچی۔ یہ اجتماع مہاجرین سے مشورہ کئے بغیر انصار میں سے خلیفہ رسول کے انتخاب کے لئے ہوا تھا۔ انصارِ مدینہ کا جمہورِ اسلام سے مشورہ کئے بغیر خلافت کا فیصلہ کرنا اُمتِ محمدیہؐ میں اُن ہلاکت خیز فتنوں کا دروازہ کھول سکتا تھا، جو اسلام کی کشتِ زعفرانِ پر بجلیاں بن بن کر گرتا۔ اور یہ غنچہ پھول بن کر مسکرانے سے قبل ہی مرجھا کر رہ جاتا۔

صدیقؓ و فاروقؓ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں اس اجتماع کی خبر سنی اور صورتِ حال کی نزاکت کو جانچتے ہی وہ فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ اس موقعہ پر ادنیٰ تاخیر بھی کس قدر خطرناک ثابت ہوتی، اس کا اندازہ اِس امر سے لگائیے کہ جب صدیقؓ و فاروقؓ اور ابوعبیدہؓ وہاں پہنچے، تو مجلسی گفتگو تیز اور تلخ بحث سے آگے بڑھ کر ایسے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی، جہاں شمشیریں میانوں سے باہر آ رہی تھیں اور قریب تھا کہ آقائے رسالت مآبؐ کی تدفین سے قبل ہی توحید پرستوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خون میں نہانے لگیں۔

صدیقؓ و فاروقؓ کے مجمعِ انصار میں پہنچتے ہی حاضرین میں کسی قائل

سکون کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اور انتخاب خلافت کی بحث نے بڑی حد تک سنجیدگی کا رنگ اختیار کر لیا۔ اسی بحث کے دوران میں فاروق اعظم رضؓ نے حاضرین کو رسولِ خدا کا وہ ارشاد یاد دلایا جس میں مہاجرین کو انصار سے نیک سلوک کی تاکید کی گئی تھی۔ مطلب واضح تھا کہ انصار سے نیک سلوک کی تاکید خلافت کو مہاجرین کے لئے مخصوص کر رہی تھی۔ جونہی فاروقؓ نے رسولِ خدا کی اس وصیت کو دہرایا۔ مجمع انصار میں سے اکثر نے اس کی تصدیق کی۔ بشیرؓ بن نعمان انصاری نے سرورِ کائنات کا ایک دوسرا ارشاد کہ اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ (امام قریش میں سے ہوں گے) دہرایا۔ پس پھر کیا تھا، خدائے واحد کے پرستاروں کا آخری اختلاف تک ختم تھا۔ فاروقؓ آگے بڑھے اور یہ کہتے ہوئے کہ صدیقؓ تم سب سے افضل ہیں، رسولِ خدا نے ان کو نمازوں اور دیگر معاملات میں امامت دی۔ بلا کسی توقف کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

عمرؓ کے بعد باقی مسلمان دیوانہ وار آگے بڑھے۔ جہاں جہاں خبر پہنچی، انصار و مہاجرین دوڑتے ہوئے پہنچے، اور شام تک تینتیس ہزار صحابہ کرام، خلیفۃ الرسول اور امیر المومنین کی حیثیت سے صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔

صدیق اکبرؓ امتِ محمدیہ کے پہلے امیر منتخب ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی فتنہ و فساد کی ایک خطرناک منزل صلح و سلام اور اخوت کے خوشگوار ماحول میں طے ہو گئی۔

خلیفۂ اوّل کا ملّت سے خطاب

انتخابِ خلافت کے اگلے روز پیغمبرِ آخر الزماں کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر اُمّتِ محمدیہ کے پہلے امیر نے مسجدِ نبوی میں پرستارانِ توحید کے سامنے ایک پُر مغز خطبہ دیا۔ حاضرین سے بیعت لینے کے بعد اُنھوں نے پہلے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اُس کے بعد فرمایا:۔

"مسلمانو! مَیں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ مَیں تُم میں سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر مَیں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میرا ساتھ دو۔ اور اگر غلط راہ اختیار کروں تو تمہارے لئے لازم ہے کہ مجھے سیدھی راہ پر لاؤ۔ راستی اور حق گوئی امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت۔ تم میں جو ضعیف ہے، وہ میرے نزدیک طاقتور ہے جبتک کہ اُس کا حق نہ دلواؤں۔ اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک کہ میں اُس سے حق نہ لے لوں۔ دیکھنا جہاد سے رُوگرداں نہ ہونا۔ جب کوئی قوم جہاد سے منہ موڑتی ہے، ذلیل اور رُسوا ہو جاتی ہے۔ جب تک مَیں خدا اور رسولؐ کے احکام کی اطاعت کروں، تم بھی میری اطاعت کرو۔ اور اگر (نعوذ باللہ) مَیں خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کروں، تو ایسی حالت میں تم میرا ساتھ چھوڑ دو۔

تم پر میری اطاعت فرض نہیں"۔

اس موقع پر چالیس ہزار صحابہ کرام موجود تھے سب نے خلیفۂ اول کی بیعت کی۔ خدائے واحد کے پرستار اب ہر اختلاف سے پاک تھے۔ ان کے دلوں میں اخوت اور محبت کی نہر سلسبیل دوڑ رہی تھی۔ ان کا خدا ایک تھا۔ وہ ایک رسولؐ اور ایک قرآن کے ماننے والے تھے۔ اور اب اپنے محبوب نبیؐ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی وہ ایک امیر اور خلیفۂ رسولؐ کا انتخاب عمل میں لا چکے تھے۔ اس کے اشارے پر جان و مال کی قربانی کا اقرار یعنی بیعت کر چکے تھے۔ وہ خدا اور اس کے دین کی محبت میں سرتاپا سرشار تھے۔ اور اس نازک موقع پر خلافت کے بارے میں ان کا حسنِ انتخاب ایک عظمت آفرین قوم کے اتحاد و اخوت کا وہ نشان تھا جس نے آگے چل کر روم و شام کی فتوحات کی منزل صاف کر دی۔

خلافتِ صدیقیؓ کا پہلا معرکہ

توحید پرستوں کے مظاہرۂ اتحاد و اخوت کے باوجود رسولِ خدا کی رحلت کی خبر ایسی نہ تھی، جس سے اسلام کے نفس پرست دشمن خاموش رہتے۔ اُن دیکھے خدا کے پرستاروں کو لاوارث سمجھ کر وہ اپنی شیطانی آرزوئیں بروئے کار لانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مسیلمہ کذّاب، طلیحہ اسدی، اور سجاح بنت الحرث نے مقامِ نبوت کو انسانی اختراع کا تماشا بنا کر اپنی اپنی

خانہ ساز نبوت کا ڈھونگ کھڑا کر دیا۔ عرب کے وہ قبائل جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ نماز، زکوٰۃ اور دیگر فرائض اسلام کی پابندیوں کو اپنی آزاد منشی کے خلاف سمجھ کر راہِ ارتداد اختیار کرنے لگے۔ کئی قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے کھلم کھلا انکار کر دیا۔ شام و ایران کے درباروں میں ظاہری طور پر سب یار و مددگار مسلمانوں کے خلاف الگ منصوبے باندھے جا رہے تھے

صحابۂ کرام جو اپنے محبوب نبیؐ کے سانحۂ ارتحال سے پہلے سے زخم خوردہ اور پریشان حال تھے۔ فتنوں کے یہ نئے نئے طوفان اُبھرتے دیکھ کر مزید پریشانیوں کا شکار ہونے لگے۔ ایسا نظر آنے لگا کہ کفر و باطل کا ہر فتنہ اُن سے ٹکرانے پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔

لیکن قربان جائیے اس امیر المؤمنین صدیقؓ اکبر کے جو مشکلات و مصائب کے اس قیامت خیز طوفان میں عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر کھڑا تھا۔ کشتیِ اسلام کا یہ کھیون ہار بھنور میں محصور ہوتے ہوئے بھی صبر و ضبط کے ساتھ ساحلِ مُراد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک سچے اور جہانگیر دینِ فطرت کا علمبردار تھا، اور خطرات کی اس یورش میں بھی وہ بہرحال قیصر و کسریٰ کے ایوانوں پر پرچمِ اسلام کی نقاب کشائی پر تُلا ہوا تھا۔

صحابۂ کرامؓ کی مخالفت کے باوجود اُس کا اعلان مدینے کی فضاؤں میں گونجا:۔

"اُسامہؓ بن زید کا لشکر شام پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار رہو جائے ـــــ منکرینِ زکوٰۃ سُن لیں کہ

اُن کی بکریوں کے بالوں تک کی زکوٰۃ وصول کر
لی جائے گی ـــــ مسیلمہ کذّاب اور نبوّت کے
جھوٹے مدّعیوں کو تہس نہس کرنے کے لئے بہرحال
فوجیں جائیں گی ، چاہے مَیں مدینے میں تن تنہا رہ
جاؤں اور مجھے بھیڑیا پھاڑ ڈالے"۔

مسلمانوں نے اپنے امیر کا یہ اعلان دم بخود سُنا اور آہستہ آہستہ محسوس کرنے لگے۔ کہ اُنہوں نے ایک عظیم الشان منزل تک بہرحال اور بہرکیف پہنچنا ہے۔

سترہ سالہ اسامہؓ اپنا لشکر لے کر مملکتِ شام میں داخل ہو گیا۔ بردن اور بلقاء کی وسیع وادیوں میں غازیانِ اسلام کے گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگے۔ رومی لشکر بھیڑوں اور بکریوں کی طرح شیرانِ اسلام کے آگے آگے دوڑ رہے تھے، اور چالیس دن کے بعد لشکرِ اسامہؓ اس شان سے مدینے میں داخل ہوا کہ مالِ غنیمت کے لدے ہوئے ہزاروں اُونٹ اور بھیڑوں بکریوں کے ریوڑ اور ہزاروں قیدی اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔

خلافتِ صدیقی کا یہ پہلا کارنامہ تھا۔ جس نے دشمنانِ اسلام کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے۔ اُنہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کا مقابلہ بچّوں کا کھیل نہیں۔ اور ان کے دلوں نے گواہی دی کہ مسلمانوں کے زندہ خدا کی امداد ہر لحظہ مسلمانوں کے شاملِ حال رہتی ہے۔

اسلامی مساوات اور جنگی ہدایات

خلافتِ صدیقی کے پہلے سپہ سالار اسامہؓ حضور کے غلام زیدؓ کے سترہ سالہ فرزند تھے۔ اور اُن کے لشکر کی شام کو روانگی کے وقت بڑے بڑے ممتاز اور جلیل القدر صحابی اُن کی ماتحتی میں تھے۔ اس بنا پر بعض انصار جو توحید اور اسلامی مساوات میں داخل ہو کر خاندانی وجاہت کے پُجاری تھے، حضرت عمرؓ کے ذریعے بارگاہِ خلافت میں مطالبہ کیا کہ اسامہؓ کی بجائے ایسا سپہ سالار مقرر کیا جائے جو عمر اور خاندان کے لحاظ سے ممتاز ہو۔

توحید اور مساوات کا علمبردار صدیقؓ توحید پرستوں کے ان مشرکانہ احساسات سے غصے میں آ گیا۔ جوشِ غضب سے اُس کا چہرہ تمتما اُٹھا اور اسی عالم میں اُس نے پکارا:۔

"مجھے معلوم نہ تھا کہ بعض مسلمان اب بھی خاندانی غرور کے پُجاری ہیں!"

یہ کہہ کر باہر نکلے۔ اور بطریقِ مشایعت اسامہؓ کی رکاب میں تین میل تک پیدل چلتے رہے۔ اسامہؓ نے عرض کی کہ امیر المؤمنین! یا تو آپ سوار ہو جائیں یا پھر میں پیدل ہو جاؤں"۔ لیکن صدیقِ اکبرؓ نے انہیں گھوڑے سے اُترنے کی اجازت نہ دی اور دُور تک اُن کی رکاب پکڑے ساتھ ساتھ دوڑتے اور جنگی ہدایات دیتے رہے۔ اُنھوں نے دس اُمورِ ذیل پر خاص طور پر زور دیا:

۱۔ خیانت نہ کرنا۔

۲۔ جھوٹ نہ بولنا۔
۳۔ بدعہدی نہ کرنا۔
۴۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔
۵۔ ثمردار درخت کو نہ کاٹنا نہ جلانا۔
۶۔ کھانے کی ضرورت کے سوا اُونٹ اگائے یا بکری کو ذبح نہ کرنا۔
۷۔ کسی قوم پر گزرتے وقت اُسے نرمی سے اسلام کی طرف بُلانا۔
۸۔ ہر ملنے والے کے حفظِ مراتب کا خیال رکھنا۔
۹۔ جب کھانا سامنے آئے تو اللہ کا نام لے کر اُسے شروع کرنا۔
۱۰۔ عیسائی اور یہودی پادریوں اور راہبوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنا۔

امیر المومنین کو اسامہؓ کی رکاب میں پیدل چلتے دیکھ کر خانارانی بُتوں کے پجاریوں کے ہوش ٹھکانے آگئے اور مذکورہ جنگی ہدایات پر عمل درآمد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی لشکر کے بلند اخلاق کی دھاک بیٹھ گئی۔

نبوت کے جھوٹے مدعیوں کا انجام

صدیق اکبرؓ کو ابتدائے خلافت میں جن تشویش انگیز فتنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا، ان میں ایک بڑا فتنہ خانہ ساز نبوت کے مکار علمبرداروں کا تھا۔ طلیحہ اسدی، مسیلمہ کذاب اور سجاح بنت الحرث تینوں اپنی اپنی جگہ پر یہ دعویٰ لے کر اُٹھے کہ وہ بھی (نعوذ باللہ) محمد صلعم کی طرح پیغمبر ہیں۔ اور

مسیلمہ کذاب نے تو رسولِ خدا صلعم کو خط تک لکھ دیا۔ کہ آؤ ہم نبوّت اور ملک کا نصف نصف تقسیم کر لیں ۔

طلیحہ اسدی ایک کاہن تھا۔ اس نے پہلے اسلام قبول کیا، اور پھر راہِ ارتداد اختیار کر کے نبوّت کا مدعی بن بیٹھا۔ دربارِ خلافت سے مشہور جرنیل حضرت خالدؓ بن ولید اس کی گوشمالی کے لئے روانہ کئے گئے۔ نجد کے مشہور چشمہ بزاخہ پر طرفین کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ اور آخر خالدؓ کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر طلیحہ کی فوج جس میں بنو اسد، بنو عامر، ہوازن اور غطفان کے قبائل شامل تھے، میدان سے بھاگ نکلی۔ طلیحہ نے ملک شام کی طرف راہِ فرار اختیار کی، اور بالآخر فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں وہ مدینے پہنچا اور خلیفہ مذکور کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گیا ۔

مسیلمہ کذاب اور سجاح بنت الحرث نے رشتۂ اتحاد استوار کرنے کے لئے آپس میں نکاح کر لیا۔ تین دن تک ایک الگ خیمے میں بند ہو کر دونوں اتحاد کی تکمیل کرتے رہے۔ لیکن خالدؓ کی شمشیرِ خارا شگاف سے دونوں کے لشکروں کو پناہ نہ مل سکی۔ بنو تمیم کی راہ میں حضرت خالدؓ کی مٹھ بھیڑ سجاح بنت الحرث کے لشکر سے ہوئی، جو شیرِ اسلام کے لشکر کو دیکھتے ہی بھاگ نکلی مسیلمہ کذاب سے مقابلہ یمامہ شہر کی چار دیواری سے باہر ہوا۔ جس میں ستر ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر مسیلمہ کی فوج بھاگ نکلی۔ مسیلمہ، وحشی۔ (قاتلِ حمزہؓ) کے خطرناک حربے کا شکار ہوا۔ اور اس طرح جھوٹے مدعیانِ نبوّت کا فتنۂ عظیم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ۔

ایران و روما سے ٹکراؤ

عرب کے ریگ زاروں میں جب اسلام کے شجرِ طیب نے پھولنا اور
پھلنا شروع کیا، اور توحید کی بہار آفریں ہوائیں جب کفر و شرک کے ان
بیابانوں میں کشتِ نوبہار کا سماں پیدا کرنے لگیں، تو روم و ایران کے درباروں
میں بھی ایک ہلچل نمایاں ہونے لگی۔ قیصرِ روم اور خسروِ ایران کی ان سلطنتوں
کی سیادت اور تہذیب و تمدن کے سائے مشرق و مغرب کی آدھی آدھی دنیا
پر مسلط تھے۔ ایک طرف ایرانی سلطنت بحیرہ روم، بحیرہ اسود، خلیج فارس، دریائے
سندھ، کشمیر، تبت اور بحیرہ کیسپین تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور دوسری جانب عرب
کے مغرب میں قیصرِ روم کی شہنشاہی کے پرچم مصر، حبش، شام و فلسطین،
ایشیائے کوچک کی وسعتوں میں لہرا رہے تھے۔ خلافتِ صدیقی کے وقت
ایران میں یزدجرد اور روم میں ہرقل کی حکومت قائم تھی۔ ایران کے پایۂ تخت
مدائن اور روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ سے دونوں حکومتوں کی عظمت و اقتدار
کا سورج ایشیا اور یورپ کو منور کر رہا تھا۔

ہر دو شہنشاہوں نے ریگ زارِ عرب سے توحید کی عظیم الشان سلطنت
کا آفتاب طلوع ہوتے دیکھا اور انہیں محسوس ہونے لگا کہ اس آفتابِ عالمتاب
کی جہانگیری اور جہاں آرائی کے سامنے مدائن اور قسطنطنیہ کے چراغ نہ جل سکیں گے
تو انہوں نے عرب قبائل کی سرحدی ریاستوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا
شروع کیا۔ عرب کے مرتدین اور نبوت کے جھوٹے مدعیوں سے کامیابی کے ساتھ

نبٹنے کے بعد صدیق اکبرؓ نے بیک وقت ایران و روما سے بنرد آزما ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اسلام کی جہانگیری کو مشرق و مغرب کے آخری کناروں تک لے جانے کے لئے ضروری تھا کہ ساسانیوں اور نصرانیوں کے اقتدار کے کانٹوں کو مسل کر رکھ دیا جائے۔ تاکہ اسلام بے دھڑک اور بلا جھجک آگے بڑھے چنانچہ ہر دو عظیم مملکتوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے لشکروں کی تیاری شروع ہو گئی۔

سلطنتِ ایران کے خلاف یلغار

صدیق اکبرؓ نے برسرِ خلافت آتے ہی مثنیٰؓ بن حارثہ کی قیادت میں ایک مختصر فوج عراق بھیج دی تھی، اور ہدایت کی تھی، کہ جب تک باقی فوجیں مختلف فتنوں سے فارغ نہ ہولیں۔ وہ باضابطہ جنگ لڑنے کی بجائے جنگ چیاولی لڑتے رہیں۔ ایک سال کے اندر اندر جب تمام فتنوں کو کمال خوبی اور ضبط سے ختم کر دیا گیا، تو عیاضؓ بن غنم اور خالدؓ بن ولید کو دربارِ خلافت سے احکام صادر ہوئے کہ نجد اور یمامہ سے عراق پہنچیں، اور ایران پر باقاعدہ یلغار کر دیں۔ تاکہ آتش پرست ساسانیوں کی یہ سلطنت جو اسلام کی راہ میں ایک مستقل خطرہ بن کر حائل ہے، اور جہاں سے اسلام کے خلاف فتنہ و فساد کی سازشیں ہمیشہ بروئے کار آسکتی ہیں، ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائے۔

حضرتِ خالدؓ یمامہ سے زیریں عراق کی طرف بڑھے - راہ میں اکثر قبائل اور
سرداروں سے برسرِ پیکار ہوئے، اور سب کو شکست پر شکست دیتے اور اسلامی
سلطنت کی حدود وسیع کرتے۔ ابلہ کے مقام پر وہ مثنیٰؓ بن حارثہ کی فوج سے
ملے - یہاں پہنچ کر ساری فوج کو جس کی تعداد اٹھارہ ہزار کے قریب تھی،
حضرتِ خالدؓ نے اپنی کمان میں لے لیا اور عراق کے ایرانی صوبے حفیر
میں داخل ہو گئے ۔

جنگ ذات السلاسل

ایرانی صوبے حفیر کا گورنر ہرمز ایک حد درجہ شجاع اور بہادر جنگجو
تھا - اپنی شجاعت اور مردانگی کی بنا پر دربارِ ایران میں اُسے ایک ممتاز سردار
کا درجہ حاصل تھا - وہ سر پر ایک قیمتی تاج بھی پہنا کرتا - خالدؓ کے حملے کی
اطلاع اُس نے فوراً دربارِ ایران کو روانہ کی، اور خود ایک لشکرِ جرار لے کر
مقابلے کے لئے بڑھا - دوسری طرف سے اسلامی لشکر بھی پہنچ گیا - اور حفیر
کے قریب فریقین کا آمنا سامنا ہو گیا۔

ہرمز نے اس خیال سے کہ ایرانی فوج بھاگنے کی کوشش نہ کرے
ایک حصۂ فوج کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی تھیں - اِس لئے اِس
لڑائی کا نام جنگِ ذات السلاسل مشہور ہو گیا - ایرانی لشکر کے مقابل ہوتے
ہی خالدؓ میدان میں نکلے، اور ایرانی لشکر کے سپہ سالار کو مبارزت کی دعوت

دی - ہرمز میدان میں نکلا، اور دونوں سالار گھوڑوں سے اتر کر پیدل ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے - ہرمز نے خالدؓ پر تلوار کا وار کیا - لیکن خالدؓ کمال پھرتی سے جھک کر وار خالی دیا، اور ایرانی سپہ سالار کی کلائی پکڑ کر چھین لی - ازاں بعد اُسے کمر سے پکڑ کر زمین پر دے پٹکا - اور سر کاٹ لشکر ایران کی طرف پھینک دیا - ایرانی لشکر اپنے سردار کے قتل پر غم کے جوش میں آگے بڑھا - دونوں لشکروں میں پورے زور کی ٹکر ہوئی تھوڑی دیر میں ایرانی لشکر میدان سے بھاگ نکلا - پاؤں کی زنجیریں توڑ گئیں اور قیدیوں مقتولوں کی ایک بہت بڑی تعداد میدان میں چھوڑ کر ہر ایرانی نے جان بچانا غنیمت سمجھا +

دریائے دجلہ کے کناروں تک

ھرمز کی امداد کے لئے دربار ایران سے پہلے قارن کو ایک بہت بڑی فوج دے کر بھیجا گیا - ہرمز کی شکست اور قتل کے بعد ایک نہر کے کنارے قارن کے لشکر نے بھی شکست کھائی - قارن اور قباد جیسے بڑے بڑے سردار میدان میں کام آئے - دربار ایران نے مشہور شہسوار اندزاگر کی کمان میں ایک دوسرا لشکر بھیجا - مقام دلجہ پر اس لشکر کو بھی اپنے سپہ سالار ہزاروں ایرانیوں کی لاشیں چھوڑ کر بھاگنا پڑا +

اِس سے اگلا معرکہ لیس کے مقام پر ہوا - جہاں ایرانی سپہ سالار

ن بن قیس خالدؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور ستر ہزار ایرانی میدانِ جنگ میں
م آئے۔ جنگ لیس میں فتحیاب ہو کر خالدؓ کے آگے بڑھے اور مشہور شہر
ہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے سے تنگ آکر اہلِ حیرہ نے صلح کی درخواست
اور دو لاکھ روپے خراج قبول کر کے شہر کے دروازے لشکر اسلامی پر
ل دیئے۔ فتح حیرہ سے فارغ ہو کر خالدؓ نے لشکرِ اسلام کو چھوٹے چھوٹے دستوں
تقسیم کیا اور لڑتے لڑتے دریائے دجلہ تک پہنچ گئے +

یہاں پہنچ کر ایک منشورِ عام انہوں نے اُمرائے عراق کے نام جاری
۔ اس منشور کا مضمون تھا :-

"تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے تمہاری
شیخی کرکری کر دی۔ تمہارے اتحاد کو توڑ دیا۔ تمہاری شان و
شوکت مٹا دی۔ پس اگر سلامتی چاہتے ہو تو اسلام قبول
کرو۔ یا ہماری حفاظت میں آکر ذمّی بن جاؤ اور جذیہ
ادا کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ میں ایسی قوم لے کر آیا ہوں
جو موت کو اسی قدر محبوب رکھتی ہے جس قدر کہ تم شراب کو"

مذکورہ منشور نے اہلِ ایران کے کان کھڑے کر دیئے۔ اور انہوں نے
یصلہ کر لیا۔ کہ تمام اختلافات کو ختم کر کے لشکرِ اسلامی کی غائبانہ یلغار کا
ی طرح مقابلہ کیا جائے +

انبار، عین التمر اور دومۃ الجندل کی فتوحات

اسلامی لشکر کی طوفانی یلغار اور خالدؓ کے امرائے عراق کے نام منشور نے اہلِ ایران میں یہ احساس پیدا کر دیا۔ کہ اپنی تمام قوتوں کو جمع کر کے یلغارِ خالدی کو روکا جائے۔ دربارِ ایران میں ایک نئی روح دوڑ گئی اور شیرزاد والیٔ باساط کو ایک لشکرِ جرار دے کر مقابلے کے لئے روانہ کیا گیا۔ عقبہ بن ابی عقبہ کی سرکردگی میں تغلب و ایاد اور دوسرے عرب قبائل بھی ایرانی لشکر کے ساتھ تھے۔ خالدؓ حیرہ سے انبار کی طرف روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شیرزاد نے شہر کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ اور جونہی اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ اس نے فصیل پر سے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ جس سے سینکڑوں مسلمانوں کی آنکھیں زخمی ہو گئیں۔ لیکن خالدؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر آگے بڑھتا گیا۔ اور آخر اس محاصرے سے تنگ آ کر شیرزاد نے شہر مسلمانوں کے لئے خالی کر دیا۔ اور آپ تین دن کی خوراک اور فوج لے کر شہر سے نکل گیا۔

فتح انبار کے بعد حضرت خالدؓ عین التمر کی جانب بڑھے۔ مہران بہرام نے عربی قبائل کو ان کے مقابلے میں بھیجا۔ لیکن ان کا سردار عقبہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اس کی فوج نے راہِ فرار اختیار کی۔ عربی قبائل کی اس شکست سے مہران اس قدر خوفزدہ ہوا۔ کہ بلا لڑے قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر آسانی سے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح عین التمر فتح ہوا۔

بعد عین التمر کی فتح کی تکمیل آسانی سے ہو گئی ؁

یہاں سے حضرت خالدؓ عیاضؓ بن غنم کی امداد کو دومۃ الجندل کی طرف بڑھے۔ اکیدر بن عبدالملک اور جودی بن ربیعہ سے مقابلہ تھا اکیدر پہلا قلعہ سے بھاگ نکلا، اور آخر لڑ کر ہلاک ہوا۔ دوسرا سردار جودی بن ربیعہ خالدؓ کے مقابلے میں گرفتار ہوا۔ قلعہ کے سامنے پہنچ کر خالدؓ نے جودی کی گردن تلوار سے اڑا دی اور ایک زوردار حملہ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

دریائے فرات کے کناروں تک

ایرانیوں نے جب دیکھا کہ خالدؓ عیاضؓ بن غنم کی امداد کے لئے بالائی عراق میں پہنچ گئے ہیں، اور حیرہ میں ایک مختصر اسلامی فوج باقی ہے، تو اُنہوں نے حیرہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن قعقاعؓ بن عمرو جو بقیہ اسلامی فوج کے سالار تھے آگے بڑھے اور حصید کے مقام پر ایرانی لشکر سے جا ٹکرائے اسلامی فوج تعداد میں بہت تھوڑی تھی۔ لیکن حضرت قعقاع اس بے جگری سے لڑے کہ میدانِ جنگ میں خون کے دریا بہا دیئے۔ نصف سے زیادہ ایرانی فوج تہ تیغ ہوئی۔ اس کے بہادر سپہ سالار زرمہر اور روزبہ میدان میں کام آئے ؁

جنگِ حصید میں مسلمانوں کی فتح کے بعد حضرتِ خالدؓ بھی واپس حیرہ پہنچ گئے۔ اُنہوں نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا، اور مقامِ مُضیّح

کی طرف بڑھے۔ یہاں ایرانی لشکر کے ساتھ عربی قبائل بھی ربیعہ بن بجیر کے میدان میں آگئے۔ لیکن خالدؓ کا حملہ اس قدر ناگہانی تھا کہ ایرانی لشکر کی تاب نہ لاسکا۔ اور شکست کھائی۔ اس شکست کے بعد بنو تغلب اور بنو ایاد کے عربی قبائل کا اجتماع فراض میں ہوا۔ یہ مقام عرب اور فارس و شام کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ یہاں رومی لشکر بھی ایرانیوں اور عرب قبائل کی امداد کے لئے پہنچا۔ لیکن خالدؓ کا مقابلہ موت کو دعوت دینے سے کم نہ تھا۔ رومی، ایرانی اور عربی قبائل کی تین فوجیں مقابلے میں تھیں، ان کی تعداد مسلمانوں سے دس گنا زیادہ تھی۔ لیکن مسلمانوں کی سرفروشی کی یہ حالت تھی کہ بجلیوں کی طرح اس لشکر عظیم پر گرے اور دریائے فرات کے کنارے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ایک لاکھ فوج گاجر اور مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دی گئی اور اس طرح معرکۂ فراض میں مسلمانوں کو وہ عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، جس کی مثال ایران کی تاریخ میں موجود نہیں۔

روم و شام کے معرکے

عین اس وقت جب کہ خالدؓ بن ولید سرزمین عراق میں داخل ہو کر ایرانی فوجوں کو شکست پر شکست دے رہے تھے، اور ایرانی فوجیں اپنے بہادر سپہ سالاروں اور ہزاروں فوجیوں کی لاشیں ہر میدان میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر رہی تھیں، دربار ایران میں ایک تہلکہ برپا تھا۔ یزدجرد

بی سفیان، عمروؓ بن عاص، شرجیلؓ بن حسنہ اور ابو عبیدہؓ ابن جراح کی فوجیں فلسطین، شام اور دمشق میں حملہ آور ہو رہی تھیں۔ عمرو بن عاصؓ نے فلسطین میں روبیس نامی سپہ سالار کی ایک لاکھ فوج کو شکست فاش دے کر سلطنتِ روما پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ عین اس وقت دربارِ خلافت سے سالارِ اعظم خالدؓ بن ولید کو عراق میں یہ حکم نامہ ملا کہ اپنی نصف فوج کے ساتھ ملکِ شام میں پہنچیں اور سلطنتِ روما کے خلاف لڑنے والی تمام اسلامی فوجوں کے سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت میں سلطنتِ روما کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔

خالدؓ بن ولید قادسیہ سے عین التمر کے رستے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، اور ابو عبیدہؓ ابن جراح کو ایک خط کے ذریعے اطلاع دی کہ وہ افواجِ اسلام پر سپہ سالارِ اعظم مقرر ہو کر بہت جلد پہنچ رہے ہیں، اور ان کے پہنچنے تک ابو عبیدہؓ اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں۔ حضرت خالدؓ اراک، سخنہ، تدمر اور حوران کو فتح کرتے ہوئے بصرہ میں پہنچے۔ ان کے پہنچنے تک حضرت شرجیلؓ بن حسنہ اپنی چار ہزار فوج کے ساتھ بصرہ کا محاصرہ کر چکے تھے سالارِ اعظم کے پہنچنے پر اسلامی فوج کے حوصلے کافی بڑھ گئے اور دوسری طرف عیسائی فوجوں پر ایک ہیبت طاری ہو گئی۔ حاکم بصرہ رُوماس ایک رات اپنے بیوی بچوں کو لے کر لشکرِ اسلام میں داخل ہو گیا اور اس نے مسلمان ہو کر اپنے آپ کو اسلام کے سپرد کر دیا۔

رُوماس کے ذریعے اسلامی فوج کے ایک دستے کو شہر میں داخل

ہوئے اور قلعہ کے دروازے کھولنے میں کامیابی ہو گئی۔ نعرۂ تکبیر کی فلک شگاف صداؤں کے ساتھ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ اور شہر پر پوری طرح قابض ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے دمشق کی طرف یلغار کر دی۔

دمشق کا طویل اور صبر آزما معرکہ

دمشق کا حاکم عزرائیل ایک بہادر جرنیل تھا۔ ہرقل کے دربار سے اس کی امداد کے لئے ایک اور بہادر سپہ سالار کلوس بن حنا بھی بھیجا گیا۔ دونوں نے دمشق سے آگے بڑھ کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ لیکن رومی فوج کے یہ دونوں سردار حضرت خالدؓ کے مقابلے میں لڑتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ اسلامی لشکر نے ان کی فوج کو شکست دے کر شہر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اور دونوں سرداروں کے سر کاٹ کر شہر والوں کی طرف پھینک دیئے۔

اس دوران میں ابوعبیدہؓ بھی اپنی فوج لے کر پہنچ گئے۔ حضرت خالدؓ نے انہیں باب جابیہ پر متعین کیا۔ اور آپ آگے بڑھ کر باب شرقی کا محاصرہ کر لیا۔ اہل دمشق کی چیخ و پکار جب ہرقل کے دربار میں پہنچی، تو اس کی نظر انتخاب ایک مشہور جرنیل دروان والی حمص پر پڑی اور اسے بہت بڑے اعزاز کے ساتھ دمشق روانہ کیا۔

حضرت خالدؓ کو جب دروان کے لشکر کی اطلاع ملی تو ضرار بن ازورؓ کو ایک ہزار مجاہدوں کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دروان کے بارہ

ہزار کے لشکرِ جرار کے مقابلے میں ضرارؓ کے ایک ہزار مجاہدوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اس کے باوجود وہ ایک طوفان بن کر رومی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ضرارؓ جس طرف حملہ آور ہوتے صفوں کی صفیں اُلٹ پلٹ کر کے رکھ دیتے۔ رومی فوج کے بڑے بڑے بہادر اُن کی تلوار کا نشانہ بن گئے۔ رومی سپہ سالار کا بہادر بیٹا ہمران آپ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن ضرارؓ کا نیزہ اُس کے سینے کو چیرتا ہوا گزر گیا، اور اُس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

یہ حالت دیکھ کر رومی لشکر ہر طرف سے ضرارؓ پر ٹوٹ پڑا، اور بالآخر انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ضرارؓ کی گرفتاری پر مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹنے لگے۔ مگر رافعؓ بن عمیر آگے بڑھے اور بچے کھچے مسلمانوں کو لے کر عقاب کی طرح رومی لشکر پر گرے۔ یہ لڑائی جاری تھی کہ حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لے کر پہنچ گئے۔

خالدؓ کے حملوں نے رومی لشکر میں کھلبلی ڈال دی۔ دروان نے بار بار اپنی فوج کو راہِ فرار اختیار کرنے سے روکا، لیکن تابہ کے۔ شیرانِ اسلام کے حملے اس قدر جانکاہ تھے کہ دروان اپنے بچے کھچے ساتھیوں کو لے کر بھاگ نکلا۔ رومیوں کا وہ بہادر سپہ سالار جو ہرقل کو یہ یقین دلا کر نکلا تھا کہ وہ نہ صرف حدودِ شام سے اسلامی لشکر کو نکال باہر کرے گا بلکہ (نعوذ باللہ) مکہ اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اُڑا دے گا، اب خرگوش کی طرح میدانِ جنگ سے بھاگ رہا تھا۔ اُس کے بہادر بیٹے اور دوسرے جنگجوؤں کی ہزاروں لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔

دروان کو اپنے بلند بانگ دعووں کی موجودگی میں جو شکست فاش ہو
اُس نے ہرقل کے دربار کو لرزہ براندام کر دیا۔ ہرقل نے دروان کو ایک خط
میں لکھا کہ "اگر تو اس قدر شہسوار، نیزہ باز اور شمشیر زن نہ ہوتا، تو تیری گردن
تلوار سے اُڑا دیتا۔ اچھا اب تجھے ایک اور موقع دیتا ہوں۔ اجنادین کی لاکھ
لاکھ فوج کو لے کر فوراً اہلِ دمشق کی مدد کو پہنچو"۔

تاریخ اسلام کا ایک انوکھا نقش

روم و شام اور ایران کے معرکوں میں سرفروشانِ اسلام نے جو
شجاعت آفریں کارنامے سرانجام دیئے ہیں، تاریخ اُن کی مثال پیش کرنے
سے عاجز ہے۔ خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن عاص، شرجیلؓ بن حسنہ، سعدؓ بن ابی وقاص
اور دیگر سالارانِ لشکرِ اسلام نے جس طرح روم و ایران کے بے شمار لشکروں
کو گاجر اور مُولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا۔ اور اُس زمانے کی ان دو عظیم اور
پُرشوکت سلطنتوں کو جس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ اُس پر
مؤرخین آج بھی انگشت بدنداں ہیں۔ قادسیہ اور یرموک کے میدانوں
میں اسلام کے اُن مجاہدوں کی عظمت گہری نیند سو رہی ہے جن کی شمشیر
خاراشگاف بجلیاں بن بن کر کوندی اور دونوں میدانوں میں لاکھوں رومیوں
اور ایرانیوں کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔

سرفروشانِ اسلام کے اِن عظمت آفریں کارناموں کے ساتھ ملّت

کی اُن بہو بیٹیوں کی سرفروشیوں اور جاں سپاریوں کی بے مثال جھلک بھی نظر آئے گی جو گھروں کی چار دیواری میں بند رہنے یا رقص و سرود کی محفلوں کی زینت بننے کی بجائے آگ اور خون برساتے معرکوں میں مردوں کے دوش بدوش ہر خطرے اور آزمائش میں حصہ دار رہیں۔ ہم بدر و حنین کے میدانوں میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ، خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ اور رؤسائے عرب کی بہو بیٹیوں کو پانی کی مشکیں اُٹھائے دیکھتے ہیں لیکن شام کی لڑائیوں میں دُنیا اُن کی شمشیر بازیوں کی غیر فانی جھلک بھی دیکھتی ہے۔

آج جبکہ تربیت اور معاشرت کے بزدلانہ انداز نے مسلمان عورت کو انتہائی طور پر ناکارہ اور جسدِ ملّت کا عضوِ معطّل بنا کر رکھ دیا ہے مسلمان عورت اپنی عصمت کی حفاظت میں بھی ناکام نظر آتی ہے۔ یہ قیامت ہے کہ جس قوم کی ایک درجن بہو بیٹیوں نے کبھی خیموں کی چوبوں سے رومی بہادروں کے مُنہ پھیر دیئے تھے، آج اُس کی ستر ہزار خواتین کی عصمت دن رات مشرقی پنجاب کے درندوں کے ہاتھوں لُٹ رہی ہے۔ اِس موقع پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ملک شام کی لڑائیوں کے وہ لازوال کارنامے پیش کریں جو خولہ بنت الازور، اُمّ تمیم اور قوم کی دیگر مجاہد بہو بیٹیوں نے سرانجام دیئے۔

قوم کی سرفروش بیٹی میدانِ جہاد میں

بکیت لہیا کے مضافات میں ضرار بن ازور ایک ہزار مجاہدینِ اسلام

کے ساتھ روما کے شجاع ترین جرنیل درمان کے لشکرِ جرار پر بجلی بن کر گرا، اور صفوں کی صفیں درہم برہم کرنے کے بعد جب شومیٔ قسمت سے گرفتار ہو گیا، تو اس جگر پاش خبر نے حضرت خالدؓ کے ہوش اُڑا دیئے۔ دمشق کے دروازوں پر فوج کا ایک حصہ چھوڑ کر وہ بجلی کی رفتار سے بیت لہیا کے اُس میدانِ جنگ کی طرف بڑھے جہاں چند سو مجاہدین رومیوں کے لشکرِ جرار کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔

بیت لہیا کی طرف خالدؓ اور اُس کے رفقاء کے گھوڑے سرپٹ دوڑ رہے تھے، اور آگے آگے ایک سوار چمکدار نیزہ ہاتھ میں لئے، زرہ کے اُوپر سیاہ لباس پہنے اور سبز پٹکا زیبِ کمر کئے شعلۂ جوالہ کی مانند جا رہا تھا۔ میدانِ جنگ کے قریب پہنچتے ہی یہ سوار رومی لشکر پر عقابی شان کے ساتھ جھپٹا اور کشتوں کے پشتوں لگاتا بڑھتا چلا گیا۔ رومی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ رومی اُس کے آگے آگے خوفزدہ ہو ہو کر بھاگنے لگے، اور اُس وقت تک کہ خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر پہنچیں، یہ سوار میدانِ جہاد میں ایک تہلکہ برپا کر چکا تھا۔ اپنے اور بیگانے سب اس کی شجاعت، مردانگی اور سرفروشی پر حیران ہوئے جا رہے تھے۔

خالدؓ نے بھی اِس سوار کو خون میں لت پت دیکھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر رومیوں پر حملے کر رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گلاب کے پھول کی ایک ارغوانی پنکھڑی ہے، جو خون میں رنگی ہوئی ہے۔ سپہ سالارِ اسلام نے اُسے آوازیں دیں، لیکن وہ سب سے بے نیاز اپنی شمشیرِ خاراشگاف کے جوہر دکھاتا رہا۔ آخر

خالدؓ گھوڑا دوڑاتے ہوئے قریب پہنچے اور یہ دیکھ کر اُن کی حیرانگی کی انتہا نہ رہی کہ سرفروش سوار خولہؓ بنت الازور ہے، جو اپنے بھائی ضرارؓ بن الازور کی گرفتاری کی خبر سن کر غم و غصہ سے تمتما اٹھی اور گھوڑا دوڑاتی اس شان سے رومی لشکر پر گری جیسے باز چڑیوں کے غول پر گرتا ہے۔

حضرت خالدؓ کی معیت میں قوم کی اس سرفروش مجاہدہ نے رومی لشکر پر اس قدر زوردار حملے کئے کہ سارے لشکر پر لرزہ طاری ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے لشکر کو رومی سپہ سالار نے بار بار اور انتہائی کوشش سے روکا۔ وہ حملے پر حملہ کرتی اور یہ اشعار پڑھتی جاتی۔ ترجمہ:-

"ضرار! تُو کہاں ہے؛ میں آج تجھے نہیں پاتی اور نہ ہی میری قوم اور اقربا تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ میرے ماں جائے اکلوتے بھائی! تم نے میرے عیش کو مکدّر کر دیا اور میری نیند کو کھو دیا۔ تم نے اپنی گرفتاری سے اپنی بہن کے دل میں ایک ایسی چنگاری چھوڑ دی، جس کے شرارے کبھی ٹھنڈے نہیں ہو سکتے"۔

خاتمۂ جنگ پر رومی اسیروں سے یہ معلوم ہوا کہ ضرارؓ کو ایک فوجی دستے کی حراست میں حمص بھیج دیا گیا ہے۔ اسلامی فوج کا ایک دستہ فوراً اُن کے تعاقب میں روانہ کر دیا گیا۔ حضرت خولہؓ نے بھی امیر عساکر اسلامیہ حضرت خالدؓ سے اجازت حاصل کر لی، اور اس دستے کے آگے اپنا گھوڑا سرپٹ ڈال دیا۔ سلیمہ کی سڑک پر یہ دستہ بڑھ رہا تھا کہ دُور سے گرد و غبار اُڑتا دکھائی دیا۔

رومی فوج کا یہ وہی دستہ تھا جو ضرارؓ کو لئے جا رہا تھا۔ ضرارؓ اس حالت میں بھی اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔ قریب پہنچ کر حضرت خولہؓ رومیوں پر حملہ آور ہوئیں اور ساتھ ہی اسلامی دستے نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ حملہ کر دیا۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر میدان صاف تھا، اور خولہؓ اپنے بھائی کی مشکیں کھول کر اُسے رہا کر چکی تھیں۔

ضرارؓ فوراً ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور اُسے بھاگتے ہوئے رومیوں کے پیچھے سرپٹ ڈال دیا۔ اُن کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

ترجمہ:۔ "بارِالٰہا! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ تُو نے میری دُعائیں قبول فرمائیں۔ میرا رنج دُور کر دیا۔ میری بے چینی ختم کر دی۔ میری تمنّاؤں کو آزردہ ہونے سے پہلے پُورا کر دیا۔ مجھے میری بہن سے ملا دیا۔ میں آج اپنے دِل کو دشمنوں سے تسکین دوں گا۔"

اسلام اُن پر ناز کرتا ہے!

خولہ بنت الازور نے اپنے اکلوتے اور عزیز بھائی کی گرفتاری پر لشکرِ درِوان کے مقابلے میں جس شجاعت اور مردانگی کا ثبوت دیا، وہ واضح کر رہا ہے کہ قرنِ اوّل کی مُسلمان مجاہدہ جب جوشِ غیرت سے تمتماتی میدان میں نکلی، تو اس نے دشمن کے لشکر میں کس قدر تہلکہ برپا کر دیا۔ اِس واقعہ

ے فوراً بعد نہر استریاق کے کنارے ایک اور واقعہ درپیش ہوا جس نے رہتی دنیا تک اسلام کی بہو بیٹیوں کی سرفروشی کا غیر فانی نقش تاریخ کے صفحوں پر نمایاں کر دیا ؎

لشکرِ دروان کی شکست کے بعد اطلاعات پہنچیں کہ رومیوں کی ایک عظیم فوج اجنادین کے مقام پر جمع ہے۔ سپہ سالارِ لشکرِ اسلام نے دمشق کا محاصرہ اُٹھا یا اور ساری فوج لے کر عازم اجنادین ہو پڑے۔ حضرت خالدؓ لشکر لئے آگے آگے تھے، اور کچھ فاصلے پر ابو عبیدہؓ ابن الجراح کی حفاظت میں مسلم خواتین کا قافلہ اور دیگر سامان آ رہا تھا۔ خالدؓ کافی آگے نکل چکے تھے کہ دمشق کی سولہ ہزار فوج نے پولص کی قیادت میں ابوعبیدہؓ پر حملہ کر دیا۔ ابوعبیدہؓ اپنے مختصر دستے کو لے کر بمشکل اس لشکرِ جرار کا مقابلہ کر رہے تھے کہ پولص کا بھائی بطرس حرم کی طرف بڑھا اور کچھ مسلم خواتین کو لے کر واپس لوٹ گیا ؎

بطرس نہر استریاق کے کنارے پر پہنچ کر رک گیا، اور ایک خیمہ میں دیگر سردارانِ لشکر کو بلا کر مالِ غنیمت اور مسلم خواتین کی تقسیم شروع کر دی گرفتار شدہ خواتین میں مجاہدہ اسلام: خولہؓ بنت الازور، عفیرہؓ بنت عفار، ام ابانؓ، سلمہؓ بنت نعمان اور قبائلِ حمیر و تبع کی دیگر خواتین بھی تھیں۔ خولہؓ نے خواتینِ اسلام کی غیرت کو اُبھارا، اور سب اس بات کے لئے تیار ہو گئیں کہ رومیوں کی لونڈیاں بننے سے کہیں بہتر ہے کہ لڑ کر جان دے دی جائے ملتِ اسلام کی ہر ایک مجاہدہ نے خیموں کی ایک ایک چوب اکھاڑ لی

اور ھَلْ مِنْ مُبَارِزْ کا نعرہ مار کر جنگ کا انتظار کرنے لگیں۔ اسلام کی انوکھی فوج کو منظم کر کے خولہؓ نے ایک سپہ سالار کی طرح یوں خطاب کیا:-

"زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسری سے ملی رہنا
اگر خدانخواستہ تم متفرق اور منتشر ہو گئیں تو یاد رکھنا کہ
تمہارے سینوں کو نیزے توڑ دیں گے۔ تمہاری گردنوں
کو تلواریں کاٹ دیں گی۔ تمہاری کھوپڑیاں اُڑتی نظر
آئیں گی اور تم سب کا یہیں ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھیں اور چوبوں کے ساتھ سب نے رومی لشکر پر حملہ بول دیا۔ خولہؓ، عفیرہؓ اور اُمِّ ابانؓ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہی تھیں۔ اُن چوبوں کی ضرب سے رومی لقمۂ اجل بن رہے تھے۔ رومیوں کی کوشش تھی کہ سب کو گھیر کر گرفتار کر لیا جائے کہ اس عرصے میں حضرت خالدؓ دو ہزار سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ خالدؓ کو دیکھتے ہی بزدل رومیوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ بطرس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ضرارؓ کا نیزہ سینے کو چیرتا ہوا جسم کے آر پار ہو گیا۔

عرب کی مسلمان بیٹیوں کو اس مردانگی سے لڑتے دیکھ کر سپہ سالارِ عساکرِ اسلام کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور حضرت رافعؓ کو مخاطب کرتے ہوئے بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا:-

"رافعؓ! انہوں نے جس شجاعت اور مردانگی کا
ثبوت دیا ہے، اُس نے قیامت تک اہلِ عرب پر

اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ انہوں نے اپنے سر بہادری کا سہرا باندھ لیا ہے۔ اور عورتوں کی پیشانیوں سے ننگ و ہما کے داغ دھو ڈالے ہیں۔ آنے والی نسلیں انہیں عزت اور کرامت کے الفاظ سے یاد کریں گی۔"

جنگِ اجنادین

سلطنتِ روما کا مشہور جرنیل وردان اجنادین میں پہنچ کر ایک لاکھ فوج کی قیادت سنبھال چکا تھا۔ سامانِ جنگ اور قوت کے لحاظ سے مسلمانوں کو ابھی تک اس قدر عظیم الشان لشکر سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ حضرت خالدؓ نے شام و فلسطین میں پھیلے ہوئے تمام سپہ سالارانِ اسلام کو خطوط ارسال کئے کہ اجنادین پہنچ کر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ چنانچہ عمروؓ بن عاص، شرجیلؓ بن حسنہ، معاذؓ بن جبل، یزید بن ابو سفیانؓ اپنے اپنے لشکروں کو لے کر روانہ ہو پڑے اور اجنادین میں سپہ سالارِ اعظم حضرت خالدؓ سے مل گئے۔

دونوں طرف کی فوجیں جب ایک دوسرے کے مقابل آراستہ ہوئیں تو سب سے پہلے حضرت ضرارؓ بن ازور میدان میں نکلے اور رومی لشکر پر ایک ہی یلغار میں انیس بہادروں کو خاک و خون میں لٹا کر واپس

ہوسنے۔ دوسرے حملے میں اُنہوں نے بیس رومی بہادروں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ مشہور رومی بہادر اصطفان سے ابھی اُن کا مقابلہ جاری تھا۔ اور اصطفان کے سینے پر چڑھ بیٹھے تھے کہ رومی لشکر ایک طوفان کی طرح آ بڑھا۔ دوسری طرف سے اسلامی لشکر نے پیش قدمی کی۔ تیروں کی طوفان خیز بارش تھی جو دونوں طرف سے ہونے لگی۔ عصر کے قریب دو لشکر جب ایک دوسرے سے جُدا ہوئے تو رومیوں کی تین ہزار لاشیں میں پڑی تھیں، اور تیس مسلمان جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ ہوتے وقت رومی لشکر پر خوف وہراس کی کیفیت طاری تھی۔ رومی سر نے اس حالت کا اندازہ لگایا، اور فتح حاصل کرنے کے لئے مکر وفریب جال تیار کرنے لگا۔

اس نے اپنے مکّار ساتھیوں کے مشورے سے یہ طے کیا کہ سر اسلام کو صلح کے بہانے ایک ٹیلے کے قریب بُلایا جائے، اور سرشام دس بہادر ٹیلے کی پُشت پر چھپ کر بیٹھ جائیں۔ علی الصبح جب گفتگو کا سلسلہ شروع ہو تو اشارہ پاتے ہی یہ بہادر آگے بڑھیں اور یکدم حملہ کر کے مسلمانوں کے بے مثال سپہ سالارِ اعظم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

چنانچہ سرشام ایک قاصد حضرت خالدؓ کے پاس اس مقصد کے لئے بھیجا گیا۔ رومی قاصد داؤد پر خالدؓ کی گفتگو کا اس قدر رعب چھا گیا کہ اُس نے اپنے اور بیوی بچوں کے لئے امان طلب کرتے ہی سارا راز فاش کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ رات کا تیسرا حصّہ گزر جانے کے بعد

ضرارؓ اپنے نو سرفروش رفقاء کو لے کر نہایت خاموشی سے ٹیلے کی پشت پر پہنچ گئے۔ اور دس رومیوں کو جو سرِ شام وہاں پہنچ کر صبح کے پروگرام کی تکمیل کے لئے اطمینان کی نیند سو چکے تھے اس خاموشی سے تہ تیغ کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اُن کی لاشوں کو ٹھکانے لگایا اور اُن کی جگہ چھُپ کر بیٹھ رہے۔

آخر جب دونوں فریق گفتگوئے مصالحت کے لئے وہاں جمع ہوئے تو مکار دروان نے اپنے چھپے ہوئے آدمیوں پر بھروسہ کرتے ہوئے حضرت خالدؓ پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اتنے میں دروان نے دیکھا کہ ٹیلے کی پُشت سے اس کے اپنے آدمیوں کی بجائے ضرارؓ مجاہدینِ اسلام کے ساتھ تلوار لہراتا بڑھا آ رہا ہے۔ قریب پہنچ کر ضرارؓ اور اُس کے ساتھیوں نے اپنے سپہ سالار کے حکم پر دروان کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ اُس کا سر نیزے پر چڑھایا، اور رومی لشکر پر حملہ کر دیا۔ باقی مسلمان فوج بھی تیزی سے آگے بڑھی لیکن جونہی رومیوں نے اپنے سردار کا سر نیزے پر دیکھا، اُن کے ہوش و حواس اُڑ گئے، اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ اسلامی شہسواروں نے ان کا تعاقب کیا، اور ظہر سے لے کر نمازِ عصر تک اُن کو تہ تیغ کرتے گئے۔ اور شام کے وقت جب آفتاب گوشۂ مغرب میں غروب ہو رہا تھا، تو اُس کی نگاہیں پچاس ہزار رومی بہادروں کی لاشوں سے میدان کو بھرپور دیکھ رہی تھیں۔

خلافتِ صدیقی کا جائزہ

آفتابِ رسالت کے اُفقِ ملّت سے غائب ہوتے ہی دینِ خدا کے علمبرداروں کی نگاہوں کے سامنے ایک اندھیرا چھا گیا۔ اس اندھیرے کی مدّت چند گھنٹوں سے زیادہ نہ تھی۔ خلافتِ صدیقی کا قیام اس تاریکی میں بدرِ منیر کا ظہور تھا۔ یہ چاند اندھیری رات میں اپنی تنویریں بکھیرتا تیرہ گھٹاؤں کے طوفان سے گزرا اور جب مطلع صاف ہوا، تو ملّتِ حنیف ایک زندگی بخش روشنی میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اُمّتِ مسلمہ پر اس سے کڑا وقت آج تک نہیں آیا۔ اسلام نے ابھی سرزمینِ عرب میں بھی پوری طرح قدم نہ جمائے تھے کہ اُمّت کا بانی اُمّت کو چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ دین و اُمّت کو بے یار و مددگار دیکھ کر فتنہ و فساد کے کئی طوفان برپا ہو گئے۔ اسلام کی کشتی ان طوفانوں کے لپیٹ میں آگئی۔ مسیلمہ کذّاب جیسے جھوٹے نبیوں نے خانہ ساز نبوت کے کئی ڈھونگ رچا لئے۔ منکرینِ زکوٰۃ بن کر کئی قبائل نے دینِ حقہ سے راہِ ارتداد اختیار کر لی۔ سرحدات پر رومیوں اور ایرانیوں کے خطرات الگ منڈلا رہے تھے۔

ارتداد اور فتنہ انگیزیوں کے اس طوفان میں مسلمان بے بسی اور مایوسی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے جلیل القدر اور بلند ہمت صحابیوں کے حوصلوں اور ہمتوں پر زلزلہ طاری ہو گیا۔ لیکن اس طوفان میں صدیقِ اکبر کا حوصلہ بدستور قائم رہا۔ سفینۂ ملّت کی ناخدائی کا اعز

اُن کے حصے میں آیا۔ خوفناک فرائض اور صبر آزما ذمہ داریاں انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں ۔

لیکن صدیقؓ کے سینے میں ایک مخلص ترین مردِ مومن کا دل تھا۔ غارِ ثور انہیں لَا تَحْزَنْ کا سبق عملی طور پر سکھلا چکی تھی۔ ان کا دل و دماغ اس طوفان میں برابر کام کرتا رہا۔ انہوں نے زمانہ ساز نبوت کے ڈھونگ ختم کر دیئے۔ انہوں نے فتنۂ ارتداد کی جڑ کاٹ دی، اور مرکزِ ملت کا رعب و وقار اہلِ عرب کے دلوں پر مسلط کر دیا۔ انہوں نے اسامہؓ بن زید کو سب سے پہلے لشکرِ اسلام کا سپہ سالار مقرر کر کے نسل، رنگ، خون اور قبیلہ کے امتیازی بُت چور چور کر ڈالے۔ داخلی فتنوں سے ٹکراتے وقت ایران و روما کی سرحدات پر بھی اسلامی دستوں کی یلغاریں دیکھی جا رہی تھیں، اور پھر داخلی فتنوں کو ملیا میٹ کرنے کے بعد ایک طرف مثنیٰؓ بن حارثہ اور عیاضؓ بن غنم کے لشکر ایران میں دریائے فرات کی طرف بڑھ رہے تھے، تو دوسری طرف خالدؓ بن ولید، عمروؓ ابن عاص اور ابو عبیدہؓ ابن جراح کی فوجیں روما کی عظمت کو پائے استحقار سے ٹھکرا رہی تھیں۔ ان کی فتح یابیوں اور کامرانیوں کا سیلاب مشرق اور مغرب کی طرف برابر بڑھ رہا تھا۔ قلعے مسمار ہو رہے تھے۔ دریا پایاب تھے۔ چہروں پر فتح یابیوں کی چمک تھی۔ اور دلوں میں خوفِ خدا اور اطاعتِ امیر کی لرزشیں تھیں ۔

جس قوم کو پہننے کے لئے کپڑا، کھانے کے لئے روٹی اور ٹوٹی ہوئی تلواروں کے لئے میان نصیب نہ تھی، اُن کی حکومت کے پرچم ایران و روما

کے شاہی ایوانوں پر اڑ رہے تھے۔ شہنشاہوں کے تخت و تاج ان کے قدموں میں اور خزانوں کی چابیاں اُن کے ہاتھوں میں تھیں۔ ان امتیازات اور فتوحات کے باوجود وہ خدائے واحد کے عاجز اور غلام بن کر کھڑے تھے اس کا نام بلند کرنے کے لئے تیروں اور نیزوں سے چھلنی ہو رہے تھے اُس کی اطاعت میں کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اس کے حکموں پر دریاؤں اور سمندروں کے سینے چیر رہے تھے۔ خون کے بہتے دریاؤں میں بھی زندہ خدا اُن کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا کان مدینے کے دُور افتادہ مقام سے خلیفہ کے تازہ احکام ان تک پہنچتے رہتے تھے اخوت کی نہر سلسبیل ان کے دلوں میں دوڑ رہی تھی، اور خلافت صدیقی کے دھاگے نے سب کو ایک رشتے میں مضبوطی سے باندھ رکھا تھا۔ جہاں اُمت کی جہانگیری اور عالم آرائی کے ڈنکے اطراف عالم میں بج رہے تھے، وہاں اُمت کا امیر المومنین ساری رات مدینے کے گلی کوچوں میں سرگرداں پھرتا۔ جسم پر غریبانہ لباس ہوتا۔ نمکین روٹی پر گزر اوقات ہوتی۔ تخت و تاج سے بے نیاز یہ مسلمانوں کا شہنشاہ دن رات اِس غور و فکر میں کھویا رہتا کہ روما کے دارالحکومت پر کیونکر جلد از جلد دینِ خدا کا پرچم لہرائے، اور ایران کا مغرور شہنشاہ کیسے ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا اسلام کے دربار میں بلا تاخیر پیش ہو۔

صدیق اکبرؓ کی خلافت کا زمانہ ڈھائی سال سے زیادہ نہ تھا۔ موت نے انہیں بہت جلد اپنے محبوب ترین رفیق کے پاس پہنچا دیا۔ لیکن اس مختصر مدت میں اُن کے کارناموں کا ریکارڈ اِس قدر زندہ جاوید، زندگی بخش

قابلِ فخر ہے، جس کی مثال شاید تاریخ کے اوراق پیش نہ کرسکیں۔ صدیق اکبرؓ نے خلافت نے روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت نمایاں کر دی۔ کہ اسلام کا ہادی اپنے متبعوں کی زندگی کی ہر منزل میں کامیاب سفر کے بہترین ڈھنگ سکھا گیا اور ان کے جانشین اُن اوصاف سے مالامال ہو چکے تھے جو کسی قوم کو جہانگیری و جہاں بانی کے تخت پر بٹھا سکتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ پر خدا کا سلام ہو! اُنہوں نے رسُولِ خدا کی جانشینی کا بہترین حق ادا کیا۔ ان کا عہدِ خلافت ملّتِ حنیف کے لئے سرمایۂ نازش و افتخار ہے۔ اُنہوں نے فرزندانِ اسلام پر فتحِ عالم کے دروازے ہمیشہ کے لئے کھول دیئے۔

--- ⁂ ---

خلافتِ فاروقی

سنہ ۱۳ھ تا سنہ ۲۴ھ
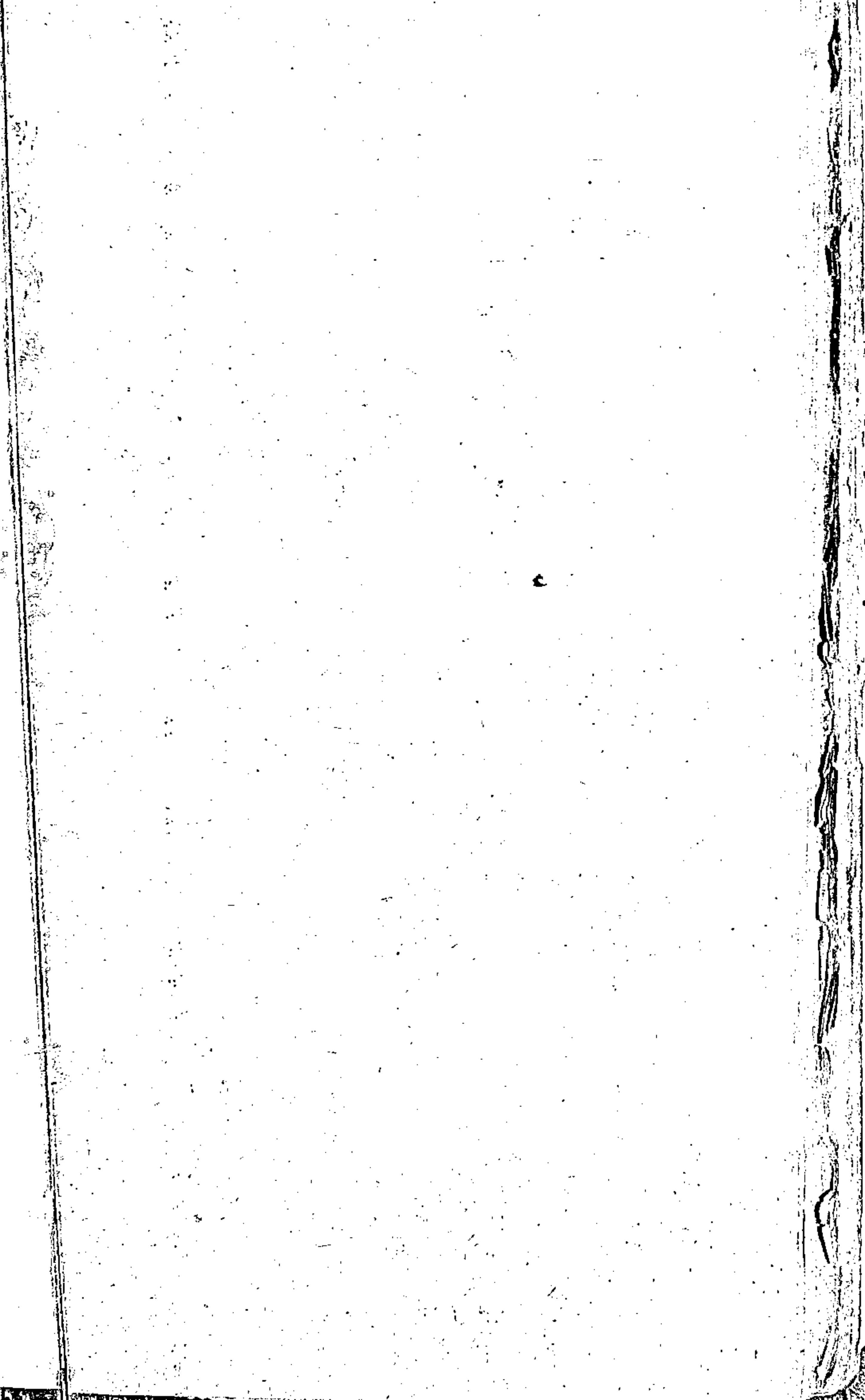
خلافت فاروقی کا آغاز

جمادی الاوّل ۱۳ھ میں صدیق اکبرؓ شدید تپ میں مبتلا ہوئے اور آخری وقت کو قریب دیکھ کر انہوں نے اپنے جانشین کے متعلق زبیرؓ بن عوام طلحہؓ، عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر سرکردہ صحابیوں سے مشورہ کیا اس مشورے کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور مسلمانوں کا ایک اجتماع عام بلا کر اس میں آپ کا حسبِ ذیل تحریری بیان پڑھ دیا گیا:

"یہ وہ عہد ہے جو ابوبکرؓ خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کیا جبکہ اُس کا آخری وقت دُنیا کا اور اوّل وقت آخرت کا ہے۔ ایسی حالت میں کافر اور فاجر بھی ایمان لے آتا ہے۔ میں نے تم پر عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اور تمہاری بہتری اور بھلائی میں کوتاہی نہیں کی ......"

موت سے قبل صدیقِ اکبرؓ نے بارگاہِ ایزدی میں دُعا فرمائی :-

"اے خدا! میں نے مسلمانوں کی بہتری اور فتنہ وفساد کے خطرے کو دُور کرنے کے لئے اپنے بعد عمرؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ میں نے جو کچھ کیا مسلمانوں کی بھلائی کے لئے کیا۔ تُو دِلوں کے حال سے خُوب واقف ہے۔ میں نے مسلمانوں سے بھی مشورہ کیا۔ اور اُس شخص کو جو سب سے قوی مسلمانوں کا بہی خواہ اور امین ہے، اُن کا ولی بنایا ہے۔"

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے صدیق اکبرؓ کی وفات پر آنسو بہاتے ہوئے فرمایا:۔

"اے ابوبکرؓ! خدا تم پر رحم کرے۔ بخدا تم تمام اُمت میں سب سے پہلے ایمان لائے، اور ایمان کو اپنا خلق بنایا تم سب سے زیادہ صاحبِ ایقان، سب سے غنی اور سب سے بڑھ کر آنحضرتؐ کی حفاظت اور نگہداشت کرتے رہے سب سے زیادہ اسلام کے حامی اور خیر خواہِ مخلوق تھے تم خُلق فضل اور ہدایت میں آنحضرتؐ کے قریب تر تھے۔ تم نے رسُولِ خدا کی تصدیق کی جب دوسروں نے تکذیب کی۔ تم نے اس وقت غم خواری کی جب دُوسروں نے بُخل کیا۔ تمہارے نفس نے کبھی بُزدلی نہیں دکھائی۔ تم پہاڑ کی مانند مستقل مزاج تھے۔ تُند ہوائیں نہ تم کو اُکھاڑ سکیں نہ

ہلا سکیں گے

حضرت عمرؓ کی زبان سے فرطِ الم سے بے ساختہ نکلا :۔

"اے خلیفۂ رسولؐ ! تم نے اپنے بعد قوم کو سخت تکلیف دی ۔ اور اسے مصیبت میں ڈال دیا ۔ تمہارے غبار کو پہنچنا بھی مشکل ہے ۔ میں تمہاری برابری کہاں کر سکتا ہوں"

خالدؓ اعظم کی معزولی

خلافتِ فاروقی کے پہلے قدم کے طور پر خالدؓ کی سپہ سالارِ اعظم عساکرِ اسلامیہ کے منصب سے معزولی تاریخِ اسلام کا ایک شہرہ آفاق واقعہ ہے ۔ ایک ایسے وقت پر جبکہ روم و ایران میں اسلامی لشکروں کی یلغار ایک سیلاب کی طرح جاری تھی اور خالدؓ کی جنگی صلاحیتوں اور سپاہیانہ قابلیتوں کا سکّہ روم و ایران کے ایک ایک جنگجو پر بیٹھا ہوا تھا ۔ تاریخ اسلامی کے بے مثال سپہ سالار کی معزولی اور حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح کی تقرری قرنِ اول کا سب سے حیران کُن واقعہ قرار دیا جائے تو عجب نہیں ۔ عزل و نصب کی اس داستان کی نقاب کشائی ہمیں اُس مقصدِ عزیز سے دُور لے جائے گی جو اس کتاب کی ترتیب میں پیشِ نظر رہا اور ذاتیات کی اس تنقیدی بحث کو نمایاں کرنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرے گا ۔ اسلئے ہم یہ کہہ کر آگے گزر جانا چاہتے ہیں کہ فاروقِ اعظمؓ پر سلام ہو ، جن کی

خلافت نے اسلام کو جہانگیر اور جہاں بان بنایا۔ خالدؓ اعظم پر سلام ہو جس
امیرالمومنین کا حکم سُنا اور بلا پس و پیش سر تسلیم خم کر کے ثابت کر دیا
اسلام کے اس مایۂ ناز سپہ سالار کے سامنے خدا کی خوشنودی ہمیشہ مقدم رہی
خالدؓ کے اخلاص و ایثار کی داستان اس قدر زندہ جاوید
عظمت آفرین ہے، جس پر تاریخ کے ہر مؤرخ نے خراج تحسین پیش کر
اور یہ کارنامہ تاریخ اسلام کا ایک ایسا سنہری ورق بن گیا ہے جس
آج بھی اسلام کے فرزند ناز کرتے ہیں، اور اس کی تقلید کو باعث
سمجھتے ہیں ؛

خالدؓ! تم پر دُنیا کے کروڑ در کروڑ مسلمانوں کا درود و سلام ہو کہ
نے اسلام کو نفس پر مقدم سمجھا، اور اپنی بے نفسی سے اسلام کو آسمانوں تک
بلند کر دیا ؛

اُمّ تمیمؓ کا تاریخی کارنامہ

بینیت لہیا کے مضافات نہر استریاق کے کنارے اور کئی دُوسر
میدانوں میں خولہؓ بنت ازور، عفیرہؓ بنت عفار، اُمّ ابانؓ اور دیگر خواتین
ملت نے سرفروشی اور مردانگی کے جو لازوال نقوش قائم کیے، وہ رہتی دُنیا
تک ہماری قومی عظمت کو چار چاند لگاتے رہیں گے۔ اِن سرفروشیوں کا ایک
مختصر نقش گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اِس موقع پر ہم مجاہد

اسلام حضرت اُمِ تمیم رضؓ زوجۂ محترمہ حضرت خالدؓ ابن ولید کا ایک زندۂ جاوید کارنامہ پیش کر کے بتائیں گے کہ قرنِ اوّل کی مُسلم خواتین نہ صرف گھروں کی ملکہ تھیں، بلکہ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں اُن کی تلواروں کے جوہر بڑے بڑے بہادروں کو محوِ حیرت کر دیتے تھے۔

اسلامی فوجیں رستن اور حمات سے آگے بڑھ کر شیزر میں مقیم تھیں کہ اطلاع ملی کہ والئے قنسرین نے مکاری سے کام لے کر صلح کے ایک سالہ معاہدہ کو توڑ دیا ہے، اور قیصرِ روم نے اس کی درخواست پر جبلہ بن ایہم غسانی والئے ہمدان اور والئے عمودیہ کو ایک لشکرِ جرار دے کر برائے امداد بھیجا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرتِ خالدؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے مشورہ کیا، اور دس منتخب بہادروں کو ساتھ لے کر اپنے گھوڑے قنسرین کی منزل پر سرپٹ ڈال دیئے۔ راہ میں اُنہوں نے جبلہ بن ایہم کا لشکر دیکھا اور خاموشی سے اس میں شامل ہو گئے۔ اسلام کے گیارہ سرفروشوں کا دستہ عین اُس وقت جب کہ والئے قنسرین جبلہ بن ایہم کے استقبال کے لئے آگے بڑھ رہا تھا بجلی کی طرح دشمنوں پر گرا۔ اور اُن کے لشکرِ جرار میں کھلبلی ڈال دی۔ رومی لشکر کے حواس ابھی بجا نہیں ہوئے تھے، کہ شیرِ اسلام خالدؓ نے تلوار کا وار کیا اور والئے قنسرین کا سر تن سے جُدا ہو کر دُور جا گرا۔ ہزاروں کے طوفان میں دس گیارہ بہادروں کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود خالدؓ اور اُس کے رفقا بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے، اور آخر اس سمندر میں بُری طرح گھر گئے۔

شیرز میں مقیم اسلامی فوج مزے کی نیند سو رہی تھی جب ابو عبیدہ کو خالدؓ اور اُس کے ساتھیوں کے گھر جانے کی اطلاع ملی۔ وہ النفیر النفیر پکارتے ہوئے دوڑے، اور خالدؓ کے گھر جانے کا اعلان کرتے ہوئے فوج کو فی الفور تیاری اور کوچ کا حکم دے دیا۔

خالدؓ کی امداد کے لئے مجاہدین اسلام کے گھوڑے منزلِ مقصود کی طرف سرپٹ دوڑ رہے تھے، کہ سپہ سالار اسلام کی نگاہ ایک عجیب و غریب سوار پر پڑی۔ جو سب سے آگے بجلی کی تیزی سے گھوڑا دوڑائے جا رہا تھا حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک دستے کو حکم دیا، کہ آگے بڑھ کر اُس سوار سے ملیں اور معلوم کریں کہ وہ کون ہے؟

انتہائی کوشش کے باوجود کوئی سوار جب اُسے نہ مل سکا، تو انہوں نے سوار کو آواز دی۔ سپہ سالار کی آواز سن کر سوار نے گھوڑا روک لیا اور یہ دیکھ کر سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سوار مذکور خالدؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِّ تمیمؓ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جب مَیں نے خالدؓ کے مغلوب ہونے اور لشکر کی تیاری کا اعلان سنا تو مجھے حیرانی ہوئی کہ خالدؓ کیونکر مغلوب ہو سکتے ہیں۔ یکایک میری نگاہ خالدؓ کی اُس کلاہ مبارک پر پڑی جس میں محبوب خدا صلعم کے کاکل مشکیں لگے تھے۔ خالدؓ یہ کلاہ مبارک خیمے میں بھول گئے اور یہی وجہ اُن کے محصور ہونے کی تھی۔ مَیں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اِس کلاہ مبارک کو لے کر جلد از جلد محاذِ جنگ تک پہنچنا چاہتی ہوں۔

حضرت ابو عبیدہؓ اور اہلِ لشکر یہ سُن کر از حد حیران اور خوش ہوئے

رب سے دعا کی، اور دوسری طرف یہ کہتے ہی اُمّ تمیم نے اپنا گھوڑا ایک
خہ پھیر سرپٹ ڈال دیا، اور ساری فوج کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گئیں ۔

میدانِ جنگ میں چاروں طرف سے محصور خالدؓ نے دیکھا کہ ایک سوار
رومیوں کو چیرتا پھاڑتا اور صفیں اُلٹتا تیزی سے اُن کی طرف بڑھ رہا تھا
جب وہ قریب پہنچا، تو خالدؓ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سرفروش سوار اُن کی
اپنی زوجہ محترمہ ہے جو آگے بڑھ کر اُنہیں کلاہِ مبارک پیش کر رہی ہے ۔

جونہی خالدؓ نے کلاہِ مبارک کو سر پر رکھا، گیسوئے مبارک سے
ایک کوندتی ہوئی بجلی کا نور چمکنے لگا ۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی برکت سے
تھکے ہارے خالدؓ نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ۔ اُمّ تمیمؓ الگ حملے پر حملہ کر
رہی تھیں ۔ اُن کے حملوں سے دشمنوں پر لرزہ طاری ہو گیا ۔ اِس عرصہ میں
اسلامی لشکر بھی پہنچ گیا ۔ رومیوں کی صفوں میں ایک بھگدڑ مچ گئی ۔ وہ
سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے ۔ اور دوسری طرف اسلامی لشکر اُمّ تمیم کے
جانبازانہ حملوں کو دیکھ رہا تھا ۔ ان کی شمشیر خارا شگاف کے وار بتا رہے تھے کہ
میدانِ جنگ میں مسلمان عورت جب شمشیر بکف بڑھتی ہے، تو جنگ کا
نقشہ بدل کر رکھ دیتی ہے ۔

جنگِ یرموک کا بے مثال معرکہ

سرفروشانِ اسلام کی یلغار ایک ہمہ گیر سیلاب تا حدودِ روم و شام

کر نشیب و فراز میں پھیلتا چلا گیا۔ قیصر روم کی لاتعداد فوجیں اس سیلاب کے تنکے ہو کر بہتی گئیں۔ یہ سیلاب جنگلوں اور وادیوں کی وسعتوں اور پہاڑوں کی بلندیوں کو روندتا چلا گیا۔ اور آخر وہ وقت آ گیا جبکہ انطاکیہ و بیت المقدس کے میناروں پر کھڑے ہو کر قیصر روم نے اس سیلاب کی موجوں کو بڑھتے آنے والے خطرے کے احساس سے اس کی روح کانپ اٹھی اور اس نے شاہان یورپ کو اپنی امداد کے لئے پکارا ٭

چند دنوں کے اندر اندر یورپ کے مختلف حصوں سے صلیب کے علمبرداروں کے لشکر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ان کا پھیلاؤ انطاکیہ سے رومتہ الکبریٰ تک پہنچ گیا۔ پانچ سپہ سالاروں کی قیادت میں جن میں قیصر والیٔ روس اور دوسرے ممتاز بادشاہ شامل تھے، لاکھوں بہادروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر سرزمین شام اسلام کے مقابلے میں روانہ ہوا ٭

جبلہ بن ایہم غسانی کی ساٹھ ہزار فوج مقدمۃ الجیش کے طور پر سب سے آگے تھی۔ سپہ سالار اعظم عساکر اسلام کے ایک خط کے مطابق جو انہوں نے دربار خلافت میں لکھا، اہل صلیب کے اس لشکر عظیم کی تعداد آٹھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ باہان والیٔ ارمن کو سارے لشکر کے سپہ سالار اعظم کی حیثیت حاصل تھی ٭

عیسائی فوجیں جب شیرز کے قریب پہنچیں تو مسلمانوں کے جاسوس ان سے الگ ہوئے، اور جابیہ میں پہنچ کر انہوں نے سپہ سالار اسلام حضرت

یدہ کو رومیوں کے لشکر کے متعلق پوری تفصیلات پیش کیں۔ رومیوں کے
لشکرِ عظیم کا جس کی تعداد اسلامی لشکر سے کم و بیش تیس گنا تھی، مقابلہ
نے کے لئے انہوں نے یرموک کے وسیع میدان کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر
مناسب اور محفوظ مقام پر لشکرِ اسلامی نے اپنے خیمے نصب کئے، اور
ی فوجوں کے منتظر رہے۔ چند روز بعد رومی فوجیں بھی پہنچنی شروع ہو گئیں
اُن کے خیموں کا سلسلہ بیدرہ میل تک پھیلتا چلا گیا۔

پہلے دن جبلہ بن ایہم غسانی کے ساٹھ ہزار کے لشکر کے مقابلہ میں
رت خالدؓ ساٹھ شیرانِ اسلام کو لے کر نکلے، اور غروب آفتاب تک گنتی
چند بہادروں نے دشمنوں کے لشکرِ جرار کا وہ مقابلہ کیا جس کی مثال
یخ میں موجود نہیں۔ مجاہدینِ اسلام کا یہ محیر العقول کارنامہ تھا کہ اُن میں
ے ایک ایک کو ایک ایک ہزار رومیوں سے نبرد آزما ہونا پڑا، اور وہ مثالی
تقلال اور مردانگی سے اُن کی صفوں میں تہلکہ برپا کرتے رہے۔ غروب
تاب کے بعد حضرت خالدؓ اپنے رفقاء کے ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کرتے
د فتحمندی کا پرچم اُڑاتے واپس لوٹے۔ عیسائی فوجوں میں اس خبر نے
ت و ہراس کی کیفیت پیدا کر دی کہ صرف ساٹھ غازیانِ اسلام نے ساٹھ
زار کے لشکرِ جرار کا رات تک مقابلہ کیا۔ دُنیا کی تاریخ میں یہ اپنی قسم کا نرالا
اقعہ تھا، اور ضروری تھا کہ رومی فوجوں میں اس کا نفسیاتی ردِ عمل پیدا ہوتا۔

اسلامی دستے کے دس مجاہدوں نے جامِ شہادت نوش کیا
ہاں رافع بن عمیرہؓ، ربیعہ بن عامر، ضرار بن ازور، عاصم بن

بن ابو سفیان گرفتار ہوئے۔ اگرچہ اس دستے نے ہزاروں رومیوں کو گاجر
کی طرح کاٹ کر پھینک دیا تھا پھر بھی دس کی شہادت اور پانچ کی گرفتاری
مسلمان کے لئے باعث غم بن رہی تھی۔ اور حضرت خالدؓ نے تو فیصلہ کر لیا
جب تک پانچ مجاہدوں کو رہا نہیں کرالیں گے اور ایک ایک شہید کے بدلے
سینکڑوں رومیوں کو تہ تیغ نہیں کرالیں گے اطمینان کا سانس نہیں لیں گے۔
رومی سپہ سالار باہان نے محسوس کیا کہ جب تک خالدؓ کو گرفتار
نہیں کیا جاتا مسلمانوں پر فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس نے جنگ
کا پروگرام بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا اور دس لاکھ رومیوں کو پینتیس ہزار
فرزندانِ توحید پر فتح دلانے کے لئے ضروری سمجھا کہ خالدؓ کو دھوکے سے گرفتار
کر لیا جائے۔ چنانچہ ایک قاصد بھیج کر صلح کے بہانے خالدؓ کو دعوتِ مذاکرات
دی۔ خالدؓ ایک دستہ کو لے کر رومی سپہ سالار کے دربار میں پہنچ گئے جہاں تک
نظر جاتی تھی، چاروں طرف رومی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں، اور ان کے بیچ
باہان ایک قیمتی تخت پر بیٹھا تھا۔ تخت کے قریب جواہر نگار کرسیوں پر شاہانِ
یورپ اور رومی سپہ سالار جلوہ افروز تھے۔ اسلام کے مایۂ ناز مجاہد خالدؓ نے
چاروں طرف بے نیازی کے مخصوص انداز میں ایک عقابی نظر ڈالی اور
اپنے رفقا سمیت باہان کے بالمقابل فرشِ زمین پر ڈٹ کر بیٹھ گیا۔
گفتگو کے دوران میں رومی سپہ سالارِ اعظم کی نیت کا فتور اور خبث
تلخ اور توہین آمیز الفاظ کی صورت میں زبان پر آنے لگا۔ اس نے مسلمانوں
کی قومی عظمت کا مضحکہ اڑانا چاہا، اور بالآخر پانچوں مسلمان قیدیوں کے گلے

دھمکی دی۔ خالدؓ نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ جوشِ غیرت سے اُس کا چہرہ غضب آلود نظر آنے لگا۔ اور اُس نے باہان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ "رومی کُتّے! میرے نزدیک تو نہایت حقیر، انتہائی ذلیل اور بے حد کم ظرف اور بزدل انسان ہے۔ اور بہت جلد شکست خوردہ فوج کے سردار کی حیثیت سے رسیوں میں جکڑا ہوا تو میرے قدموں میں پڑا ہو گا۔"

اپنے سپہ سالارِ اعظم کی شان میں خالدؓ کے یہ الفاظ سن کر رومی آگ بگولا ہو گئے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ آگے بڑھیں، خالدؓ اور ان کے ساتھیوں نے تلواریں سونت لیں۔ انہوں نے تکبیر کا فلک شگاف نعرہ بلند کیا، اور رومی سرداروں کے اس دربار کو اپنی چمکتی ہوئی تلواروں کے حصار میں لے لیا۔ حضرت خالدؓ بذاتِ خود باہان کے سر پر اپنی چمکتی ہوئی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ اگر کسی رومی نے ایک قدم آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ان کے سپہ سالارِ اعظم کا سر تلوار سے اُڑا دیا جائے گا۔

رومی فوجیں اس دہشت ناک منظر کو دم بخود دیکھ رہی تھیں۔ سب کے چہروں پر خوف و اضطراب چھایا ہوا تھا۔ رومی سردار اور اُن کا سپہ سالارِ اعظم عالمِ دہشت میں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ نازیانِ اسلام کی تلواروں کی دھاروں پر انہیں اپنی موت مسکراتی نظر آ رہی تھی۔ باہان خوف و دہشت سے تھرتھراتا ہوا گویا ہوا کہ خالدؓ خدا را ذرا ٹھہرو، عجلت سے کام نہ لو۔ میں نے محض تمہاری آزمائش کی تھی۔ کسی مواخذہ کے بغیر تم جا سکتے ہو۔ خالدؓ نے مسلمان قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اور بے چارگی کے عالم میں باہان

کو اُن کی رہائی کا حکم دینا پڑا۔

حضرت خالدؓ پانچوں مسلمان قیدیوں کی رہائی سے مسرور واپس
اور جب اُنہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو دربارِ باہان کی مفصل کیفیت بتائی
سارے لشکرِ اسلام میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اگلی صبح ایک خوفناک جنگ
آغاز ہونا تھا، اس لئے مسلمان ساری رات تیاری میں مصروف رہے
طلوعِ آفتاب سے قبل ہی وہ پوری طرح مسلح اور تیار ہو چکے تھے۔ حضرت
ابو عبیدہؓ نے جنگ کی کمان خالدؓ کے سپرد کر کے انہیں ایک سپہ سالار
پورے اختیارات سونپ دیئے اور سارے لشکر میں اس تقرری کا اعلان
دیا گیا، جسے سُنتے ہی چاروں طرف مسرت اور جہاد کا جذبہ تیز ہو گیا۔

خالدؓ نے لشکرِ اسلام کی صفوں کو اس قابلیت سے ترتیب د
ایسا نظام قائم کیا جسے دیکھ کر رومی حیران رہ گئے۔ صبح سے شام تک معر
کارزار گرم رہا۔ میدانِ جنگ لاشوں سے پٹ گیا۔ رومی مسلمانوں سے
کئی گُنا زیادہ تھے۔ لیکن خالدؓ نے اپنے لشکر کو اس نظام اور شان
لڑایا کہ بار بار رومیوں کو ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ اور رات کا اندھیرا چھا
پر جب دونوں فوجیں جُدا ہوئیں، تو رومیوں اور اُن کے سپہ سالار پر سر
کا عالم طاری تھا۔

باہان کی مایوسی کی کیفیت اُس خط سے پوری طرح واضح ہے، جو اُ
اُس نے قیصرِ روم کے نام لکھا۔ خط مذکور میں، اس نے واضح کیا کہ اُس
مسلمانوں کو ہر قسم کے لالچ اور طمع سے واپس کرنے کی کوشش کی

ریب سے سردار قوم خالدؓ بن ولید کو گرفتار کرنا چاہا لیکن تمام حربے ناکام رہے۔
ہان نے اس خط میں قیصر روم کو یاد دلایا کہ اس کی حکومت اور عظمت کے
اتمے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور بہتر ہے کہ وہ موجودہ دارالحکومت کو چھوڑ
کر قسطنطنیہ کا رُخ کرے۔ خط کے آخر میں اس نے اپنی قطعی رائے کا اظہار
کیا کہ مسلمان عدل و انصاف اور اتباعِ رسولؐ کی بنا پر کامیاب ہو رہے ہیں
اور ان کے غلبے کو روکا نہیں جا سکے گا

قیصر روم کو خط لکھنے کے بعد باہان ایک ہفتہ تک لڑائی سے رُکا رہا۔ اور
آٹھویں روز بے خبری کے عالم میں مسلمانوں پر اچانک حملہ آور ہو گیا۔ حضرت خالدؓ
پانچ سو سواروں کا ایک دستہ لے کر مقابلے میں ڈٹ گئے اور جب تک کہ مسلمان
مسلح ہو کر اپنی صفیں مرتب نہ کر لیں۔ انہوں نے رومیوں کو آگے بڑھنے سے
روکا۔ اس روز کئی بار مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ لیکن خواتینِ اسلام کی جرأت
ہر بار آڑے آئی۔ انہوں نے بھاگنے والوں کو غیرت دلا دلا کر بار بار رومیوں
پر حملے کر کے لڑائی کا رُخ بدلا۔ اگلے دن بھی لڑائی شام تک جاری رہی۔
تیسرے روز رومی لشکر کا سپہ سالار باہان میدانِ جنگ میں زخمی ہو گیا۔ باہان
کے زخم کھاتے ہی خالدؓ نے اس زور کا حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے
اور مسلمانوں نے پوری شدت سے ان کا قتلِ عام رات گئے تک جاری رکھا۔ سپہ سالار
لشکرِ اسلام حضرت ابو عبیدہؓ کے ایک خط سے جو انہوں نے دربارِ خلافت
میں لکھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ پانچ ہزار رومی قتل اور چالیس ہزار
گرفتار ہوئے۔ ہزاروں رومی ناقوسہ ندی میں ڈوب مرے۔

رومی سپہ سالار باہان چالیس ہزار سواروں کو لے کر بھاگ نکلا لیکن حضرت خالدؓ نے لشکرِ زحف کے چار ہزار مجاہدوں کے ساتھ اُس کا تعاقب کیا اور دمشق کے قریب اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ رومی اس قدر سراسیمہ اور خوفزدہ کہ چالیس ہزار ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ باہان نے بچا کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ایک مسلمان کی تلوار کا نشانہ بن کر رہ گیا۔ اس طرح سلطنت روما کے مقابلے میں اس خوفناک اور بے مثال جنگ کا اختتام مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کی صورت میں ہوا۔

فاروقِ اعظمؓ کا سفرِ بیت المقدس

فتح یرموک کے بعد بیت المقدس پر چڑھائی کے احکام بارگاہِ خلافت سے پہنچے اور ان کی تعمیل میں حضرت ابو عبیدہؓ نے لشکرِ اسلام کو بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا حکم دے دیا۔

بیت المقدس عیسائیوں کے نزدیک مقدس ترین شہر تھا اور اس کی حفاظت کے لئے وہ ہر قسم کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ چار ماہ تک بیت المقدس کا محاصرہ جاری رہا اور شہر کے عیسائی جن پر اس وقت تک کسی قسم کے خوف و اضطراب کا اثر نظر نہیں آتا تھا، روز بروز پریشان کا شکار ہونے لگے۔ ان کی تشویش لحظہ بہ لحظہ بڑھنے لگی۔ وہ ایک وفد کی صورت میں اسقفِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ پادری دینِ نصاریٰ

سب سے بڑا عالم اور عیسوی شریعت کا مقدس ترین وارث سمجھا جاتا تھا
اس نے نمائندگانِ شہر کی اس داستانِ مصیبت کو جو محاصرے سے پیدا ہو
رہی تھی بغور سُنا۔ وہ اُسی وقت اپنا مخصوص مذہبی لباس پہن کر تیار ہُوا۔
اور معززینِ شہر کی ایک جماعت کے ساتھ سپہ سالارِ لشکرِ اسلام امینُ الاُمت
حضرت ابوعبیدہ رض ابنِ جراح کی خدمت میں پہنچا۔

کافی دیر تک گفتگوئے مصالحت جاری رہی۔ امینُ الاُمت نے قبولِ
اسلام، جزیہ کی ادائیگی یا پھر جنگ، تین شرطوں کو پیش کیا اور ان میں سے
کسی ایک کو قبول کرنے پر ہی قطعی فیصلے کا مدار قرار دیا۔ عیسائی اسقفِ اعظم نے
ان میں سے کسی ایک شرط کو تسلیم کرنا گوارا نہ کیا اور اُس نے بالآخر ابوعبیدہ رض
کو اطلاع دی کہ :۔

"ہماری مقدس کتابوں میں لکھا ہے کہ اس شہر کا فاتح صرف
ایک شخص ہوگا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور جس کا نام
عمر رض اور لقب فاروق ہوگا۔ وہ مردِ خدا نہایت سخت اور اللہ
کی راہ میں ہر ملامت سے بے نیاز اور بے باک ہوگا۔ اُس
شخص کی تمام علامات اور صفات ہماری مذہبی کتب میں
بالتفصیل مندرج ہیں!"

ابوعبیدہ رض یہ سُن کر مسکرائے اور فرمایا: رب کعبہ کی قسم! ہم نے اس
شہر کو فتح کر لیا۔ واللہ کہ وہی شخص ہمارا خلیفہ اور ہمارے نبی کا صحابی ہے!"
یہ سُن کر عیسائی پادری نے کہا۔ کہ اگر یہ درست ہے تو آپ کے امیرالمؤمنین

یہاں تشریف لائیں، اور اگر مذکورہ علامات وصفات کی انہیں دیکھ کر تصدیق ہو گئی، تو ہم بلا پس و پیش شہر کے دروازے آپ پر کھول دیں گے۔

اِس واقعہ کے بعد لڑائی ملتوی کر دی گئی، اور صورتِ حالات کے متعلق ایک مفصل خط بارگاہِ خلافت میں لکھ دیا گیا۔ فاروقِ اعظم نے اس خط کو اور ممتاز صحابیوں سے مشورہ کرنے کے بعد اُنہوں نے بیت المقدس کا عزم کیا۔

فاروقِ اعظم کا یہ سفر اپنی سادگی کی مخصوص روایات کی بنا پر ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ دُنیا کی جہانگیر اور جہاں بان قوم کا جلالت مآب امیر جس کا رُخ قاہرہ ایشیا اور یورپ کے میدانوں اور پہاڑوں کو روندتے ہوئے مشرق و مغرب کے آخری گوشوں کی طرف سیلِ بے پناہ کی طرح بڑھ رہے تھے اور روما کا شاہی وقار جن کے قدموں میں ٹوٹ رہا تھا۔ صحابہ کرام کی ایک مختصر جماعت کی معیت میں اس سادگی اور درویشانہ جلال کے ساتھ بیت المقدس کو روانہ ہوا کہ قیصر و کسریٰ کا شاہانہ کرّوفر اُس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگا۔

ایران و روما کا فاتحِ اعظم ایک سُرخ اُونٹ پر سوار تھا۔ خورجی میں زادِ راہ کے طور پر ستّو اور چھوہارے بندھے تھے۔ پانی کی ایک چھاگل اور ساتھ لٹک رہے تھے۔ باڈی گارڈ کا کوئی دستہ اِس پُرخطر سفر میں ساتھ نہ تھا۔ اللہ کے درویشوں کی ایک جماعت تھی، جو دُنیا کو یہ سبق سکھا رہی تھی کہ مسلمان بڑے سے بڑا فاتح بن کر بھی خدا کی بادشاہت کا عاجز نمائندہ ہے وہ سکندرِ اعظم اور جولیس سیزر کی طرح روئے زمین کو اپنی ذاتی حکومت کے قیام کے لئے نہیں کرتا بلکہ مقصد آخر اس کے

اور کچھ نہیں ہوتا، کہ خدا کی بادشاہت پھیلے اور وہ محض اُس کا بندہ بے دام بن کر زندہ رہے۔

فاروق اعظم سادگی اور درویشی کے اس عالم میں منزلیں طے کرتے بیت المقدس کی طرف بڑھتے گئے۔ مقام جابیہ پر سپہ سالارِ لشکرِ اسلام اور دیگر سردارانِ لشکر نے آپ کا استقبال کیا۔ اور جب آپ بیت المقدس کے قریب پہنچے، تو غازیانِ اسلام کے فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر سے بیت المقدس کی فضا گونج اٹھی۔

امیر المومنین کی تشریف آوری کی اطلاع پاتے ہی عیسائی اعظم، والیٔ بیت المقدس اور پادریوں کو لے کر شہر پناہ پر نمودار ہوا۔ اور امیر المومنین کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا۔ فاروق اعظم ایک پرانی کملی اوڑھے سرا سر عرب کو لے کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ عیسائی پادری دیر تک آپ کو بغور دیکھتا رہا۔ اس نے سرتاپا آپ کا جائزہ لیا۔ اور بالآخر پکار اٹھا: "یہی وہ شخص ہے جس کی صفات و علامات عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں بالتفصیل موجود ہیں۔ اور یہی ہے جس کے ہاتھ پر یہ شہر فتح ہو گا۔ اہلِ بیت المقدس! دوڑو اس کی طرف۔ امان اور ذمہ داری کا عہد حاصل کرو۔ واللہ کہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ صحابی یہی شخص ہے۔"

اُمتِ عیسوی کے "مقدس باپ" کے یہ الفاظ سنتے ہی اہالیان نے بیت المقدس کے دروازے کھول دیئے اور قطار در قطار امیر المومنین کی طرف دوڑ پڑے۔ فاروق اعظم یہ دیکھتے ہی سجدے میں گر گئے۔ خدا کا

شکرادا کیا اور عیسائیوں سے فرمایا کہ "جاؤ جزیہ کی ادائیگی پر قائم رہو تمہیں امان ہے"

پھر معززین شہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حسب ذیل امان نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے :۔

"یہ وہ امان نامہ ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کے باشندوں کو دیا۔ یہ امان اُن کی جان، و مال، گرجا، صلیب، تندرست اور بیمار الغرض ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ نہ تو ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ گرائے جائیں گے اور نہ اُن کے کسی حصے کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ اُن کے مال اور صلیبوں میں کمی کی جائے گی۔ مذہب کے معاملہ میں اُن پر کوئی جبر نہ ہو گا۔ اور نہ اُن کو کوئی ضرر پہنچایا جائے گا۔ باشندگانِ ایلیا کے ساتھ یہودی نہیں رہنے پائیں گے دیگر شہروں کی طرح ایلیا والوں پر جزیہ کی ادائیگی فرض ہوگی"

امان نامہ پر خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن عاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور معاویہؓ بن ابی سفیان کے دستخط بطور گواہ ثبت تھے، اور یہ سب کچھ اسلام کی تاریخی شہادت تھی، کہ دُنیا کی کسی فاتح قوم نے حصولِ فتح کے بعد مخالف مذہب کے مفتوحین کو اس قدر مراعات عطا نہیں کیں۔ اور نہ ہی

اور رواداری اور فیاضی کا ثبوت دیا ؛

دارالحکومت انطاکیہ تک

بیت المقدس کی فتح کے بعد اسلامی لشکر مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر آگے بڑھا، اور قنسرین اور عواصم پر اپنی فتوحات کے جھنڈے لہراتا حلب کے قریب پہنچا۔ والیٔ حلب یوقنا نے کئی ماہ تک اسلامی فوج کا مقابلہ کیا۔ وہ قلعے میں محصور رہ کر بے خبری کے عالم میں مسلمانوں پر شبخون مارتا اور کافی نقصان پہنچا کر قلعے میں پناہ گزین ہو جاتا۔ مسلمان اِس طویل محاصرے سے کافی اُکتا چکے تھے کہ بنی طریف کے ایک سورما اور صاحب تدبیر غلام مرداس ابو الہول کا تدبر آڑے آیا۔ وہ ایک اندھیری رات میں جانبازان اسلام کا ایک دستہ لے کر فصیل پر چڑھ گیا، اور شہر کے دروازے لشکرِ اسلام پر کھول دیئے۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور یوقنا نے اسلام قبول کر لیا۔

فتح حلب کے بعد مسلمان عزاز کی طرف بڑھے۔ والیٔ عزاز دریس اپنے لڑکوں لوقا اور لاوان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ دونوں بھائی یوقنا کی ہدایت قبول کر کے مسلمان ہو گئے اور فتح عزاز کے بعد اسلامی فوجیں قیصرِ روم کے دارالحکومت انطاکیہ کی طرف بڑھیں۔ قیصر روم کے دارالحکومت ہونے کے لحاظ سے انطاکیہ کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ خوبصورت گرجاؤں اور عظیم الشان شاہی محلات کا یہ شہر اپنے عسکری اعتبار سے کم اہم نہ تھا۔

اس شہر کی حفاظت کے لئے کافی فوجیں جمع کر لی گئی تھیں۔ مجاہدین اسلام کو عرصہ تک یہاں معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ مجاہد اسلام ضرار بن ازور یہاں گرفتار ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں کی خوش نصیبی سمجھئے کہ عین میدان جنگ میں فلسطین کا والی رومتہ الکبریٰ قیصر روم ہرقل کے خلاف ہو گیا۔ حضرت یوقنا بھی ہرقل کو دھوکا دے کر اپنے اعتماد میں لے چکے تھے۔ اور دو سو جوانمردوں کے ایک دستہ کے ساتھ رومی فوج میں کمانڈر مقرر تھے۔ وہ مناسب موقع کے انتظار میں رہے۔ اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ والی رومتہ الکبریٰ نہ صرف ہرقل سے بدظن ہے بلکہ اسلام کی صداقت کا قائل بھی ہو چکا ہے تو انہوں نے والی رومتہ الکبریٰ سے مشورہ کیا اور عین میدان جنگ میں جہاں معرکہ کارزار گرم تھا حضرت یوقنا اور والی رومتہ الکبریٰ اپنی فوج لے کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ دوسری طرف حضرت ابو عبیدہ اور حضرت خالد نے اسلامی لشکر لے کر ایک زوردار حملہ کر دیا۔ عیسائی فوجیں میدان جنگ سے بھاگ نکلیں۔ ہرقل قیصر روم نے اکابرین سلطنت کے ساتھ کشتیوں پر سوار ہو کر قسطنطنیہ کی طرف دریائی راستے سے راہ فرار اختیار کی اور اس طرح والی رومتہ الکبریٰ کی بروقت امداد سے جان توڑ لڑائی کے بغیر ہی اسلام کا پرچم قیصر روم کے محلات پر لہرانے لگا۔

اس لڑائی میں جو شعبان المعظم ۱۷ھ میں ختم ہوئی تیس ہزار رومی گرفتار اور ستر ہزار قتل ہوئے۔ مال غنیمت میں جس قدر بیش قیمت خیمے ملبوسات، گھوڑے، خزانے اور دیگر سامان آیا، وہ اس قدر زیادہ تھا جس

کر اسلام کو نہال کر دیا ۔

فتح انطاکیہ کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے شام کے ساحلی علاقوں کا رخ کیا اور حضرت یزید بن ابی سفیان کو قیساریہ پر جہاں قسطنطین بن ہرقل برسر اقتدار تھا، قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ قیساریہ کی لڑائی میں قسطنطین کی اسی ہزار فوج نے شکست کھائی۔ اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ۔

ابو عبیدہؓ بن مسعود کے کارنامے

خلافت صدیقی کے آخری ایام میں خراسان کا گورنر رستم دربار ایران میں پہنچا۔ رستم ایک بہادر سردار اور صاحب تدبیر سپہ سالار تھا۔ اس نے از سر نو ایرانی فوجوں کو منظم کیا، اور دوسری طرف رذ سالنے عراق کے مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔ فاروق اعظمؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں ہاتھ میں لیتے ہی مثنیٰؓ بن حارثہ، سعد بن عبید اور ابو عبیدہؓ بن مسعود کو عراق کی جانب روانہ کیا۔ عراق میں لڑنے والی فوجوں کے سپہ سالار اعظم ابو عبیدؓ بن مسعود مقرر کئے، اور انہیں مناسب ہدایات دے دی گئیں۔ ابو عبیدؓ کے عراق پہنچنے سے قبل حضرت مثنیٰؓ لڑائی کی طرح ڈال چکے تھے۔ ابو عبیدؓ نے انہیں سواروں کی کمان سپرد کر کے نمارق میں چھوڑا اور آپ نمارق میں ایرانی سپہ سالار جابان پر حملہ آور ہو گئے۔ جابان کو شکست فاش دے کر

وہ کسکر کی طرف بڑھے، جہاں ایرانی جرنیل نرسی تیس ہزار فوج لئے پڑا تھا۔ نرسی کی امداد کے لئے دربارِ ایران سے ایک اور بہادر جرنیل جالینوس کو بھیجا گیا۔ لیکن جالینوس کے کسکر پہنچنے سے قبل ہی نرسی کو شکست فاش ہوئی، اور اُس کے راہِ فرار اختیار کرنے پر اسلامی لشکر نے باقیماندہ جالینوس پر حملہ کیا، جو مقابلے کی تاب نہ لا کر مدائن کی طرف بھاگ نکلا۔

جالینوس کی شکست فاش سے دربارِ ایران میں کھلبلی مچ گئی۔ رستم نے چاروں طرف نظر دوڑائی، اور آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ ایران کے نامور سپہ سالار بہمن جادویہ کو تیس ہزار فوج دے کر مسلمانوں کے مقابلے میں بھیجا جائے۔ بہمن بڑی شان و شوکت اور کرّوفر کے ساتھ روانہ ہوا۔ درفشِ کاویانی پہلی دفعہ اُس کے سر پر لہرا رہا تھا، اور ایرانیوں کو یقین تھا کہ اس متبرک جھنڈے کے سائے میں ایرانی فتحیاب ہوں گے۔

دریائے فرات کے کنارے مروحہ کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ ہاتھیوں کی قطار ایرانیوں کے مقدمۃ الجیش کے طور پر سب سے آگے تھی، اور اُنہوں نے لشکرِ اسلامی کو اس تندی و تیزی سے کچلنا شروع کیا کہ ساری فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔

سپہ سالارِ اعظم ابوعبیدؓ نے آگے بڑھ کر ایک خطرناک ہاتھی پر حملہ کیا۔ ہاتھی زخمی ہوا اور غضبناک ہو کر اُس نے حضرت ابوعبیدؓ کو کچل دیا۔ سپہ سالار کے شہید ہوتے ہی مسلمانوں کی حالت نازک ہو گئی۔ چھ علمبردار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور آخر مثنیٰ بن حارثہ نے کمان ہاتھ میں لے کر دانا

۔ اور لڑتے لڑتے دریا کے پار پہنچ گئے۔ اس لڑائی میں چار ہزار سے زیادہ
مان شہید ہوئے ۔

شام و عراق کی معرکہ آرائیوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو اس قدر
نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ اور جونہی یہ دلخراش خبر دارالخلافہ میں پہنچی
روق اعظم نے انتہائی سرگرمی سے ایران کے لئے فوج کی تنظیم اور تیاری شروع
کر دی ۔

یب کی فتح عظیم

ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی بچی کھچی فوج دریا
ات کے دوسرے کنارے مقیم تھی۔ کہ دربار خلافت کے احکام کی تعمیل میں کئی
ائل کے سردار کمک لے کر پہنچ گئے۔ اور مثنیٰ بن حارثہ کی قیادت میں مجاہد
سلام کی تعداد آٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ دربار ایران سے مہران ہمدانی ایک
شکر عظیم لے کر روانہ ہوا۔ اور دریائے فرات کو پار کر کے اس نے اپنی فوج
و ترتیب دی۔ پیادوں کے پیچھے جنگی ہاتھیوں کی صفیں قائم کیں۔ دائیں
اور بائیں بازوؤں پر سواروں کا تعین کیا۔ ہاتھیوں کے پیچھے تیر اندازوں
کے دستے تھے ۔

مسلمانوں نے بھی مقابلے میں اپنی صفیں آراستہ کیں۔ گذشتہ نقصا
عظیم کی بنا پر ان کا خون جوش انتقام سے کھول رہا تھا۔ حضرت مثنیٰ بن

حارثہ نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے اور اس کے بعد وہ اپنی پوری فوج
کر ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اسلام کا ایک ایک مجاہد تڑپتی ہوئی بجلی
اپنے تابڑتوڑ حملوں سے ایرانیوں کو خاک میں ملا رہا تھا۔ ایرانی اس خو
حملے کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے ہاتھیوں کی قطاریں گاجر مولی کی طرح
لگیں، اور زخمی ہاتھیوں نے جب بدحواس ہو کر دوڑنا شروع کیا، تو ا
نے ایرانیوں ہی کو روند ڈالا۔ ایک طرف اپنے ہی ہاتھیوں کا موت ا
طوفان اور دوسری طرف شیرانِ اسلام کی چمکتی ہوئی تلواریں ایرانی
چاروں طرف موت ہی موت نظر آنے لگی۔ وہ میدان سے بھاگ نکلے
یہ راہِ فرار مزید افتاد بن گئی۔ وہ دریائے فرات کی طرف بھاگے لیکن
لشکرِ اسلام نے دریا کا پُل پہلے ہی توڑ دیا تھا۔ آگے دریا کی خوفناک
اور پیچھے شمشیر بکف مسلمان۔ ایرانیوں کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ ر
ایرانی سپہ سالار اور ایک لاکھ جنگجوؤں کی لاشیں دریائے فرات کے
حشرات الارض کی طرح بکھری پڑی تھیں۔ اور اسلامی لشکر سے صر
سو غازیوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

ایک لاکھ ایرانیوں اور دوسری طرف محض ایک سو مسلمانوں کا
تاریخ کا ایک محیرالعقول کارنامہ تھا جس نے ایران کے طول و عرض
ایک کہرام مچا دیا۔ دربارِ ایران میں ہر سردار کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے
لگیں۔ غازیانِ اسلام کی ہیبت اُن کے دلوں پر طاری تھی اور
اپنے وزیرِ اعظم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ رستم نے یزدجرد کو ایران کے

تخت پر بٹھایا۔ اپنے رقیب فیروز سے صلح کرلی، اور نئے سرے سے تیاریاں شروع کردیں ؎

سعدؓ بن ابی وقاص ایران میں

اہل ایران کی فوجی تیاریوں کی رپورٹ جب دربار خلافت میں پہنچی۔ تو اُنہوں نے بھی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر تیاری شروع کردی۔ اُنہوں نے ممالک مقبوضہ کے عاملوں کے نام احکام جاری کئے۔ کہ تمام قبائل کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار کریں۔ چنانچہ ہر جگہ مجاہدین اسلام کی بھرتی زور و شور سے شروع ہوگئی، اور جب امیر المومنین حج سے واپس لوٹے تو مدینے کے گرداگرد مجاہدین اسلام ہزاروں کی تعداد میں منتظر پائے۔ اُنہوں نے پہلے تو یہ فیصلہ کیا کہ اس لشکر کو لے کر نفس نفیس ایران پر حملہ آور ہوں لیکن جب صائب الرائے صحابہ کرامؓ نے انہیں دارالخلافت میں موجود رہنے پر زور دیا۔ تو اُنہوں نے رسولؐ خدا کے ماموں اور ذی مرتبت صحابی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ایران میں عساکر اسلام کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور انہیں مناسب ہدایات دے کر ایران کو روانہ کردیا ؎

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مدینے سے چار ہزار کی فوج اور مل گئی راستے میں مختلف قبائل کے جوانمرد ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ ایران میں حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کا آٹھ ہزار کا لشکر پہلے ہی موجود تھا۔ مثنیٰ واقعہ جسر

میں ایسے زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ ان کا لشکر بشیر بن حصاصہ کی قیادت میں سپہ سالار اعظم کا انتظار کر رہا تھا۔ مقام سیراف پر جب تمام لشکر مجتمع ہوا، تو تعداد بیس ہزار سے زیادہ تھی۔ اس میں وہ جلیل القدر صحابی بھی شریک تھے جو بیعت الرضوان میں شامل تھے۔ اور بدر و احد کی جنگوں میں رسولِ خدا کے ساتھ دادِ شجاعت دے چکے تھے۔

اسی مقام پر دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ قادسیہ کی طرف بڑھو اور وہاں پہنچ کر اپنے مورچے ایسے مقام پر قائم کرو، کہ تمہارے سامنے فارس کے میدان اور عقب میں عرب کے پہاڑ ہوں۔ سعدؓ بن ابی وقاص اس حکم کے پہنچتے ہی سیراف سے قادسیہ کی طرف بڑھے۔ راستے میں غدیب کے مقام پر جہاں ایرانیوں کا میگزین تھا، قبضہ کیا، اور پھر قادسیہ پہنچ کر ایرانی لشکر کا انتظار کرنے لگے۔ لشکرِ اسلام کو قادسیہ میں اپنے مورچے قائم کر لینے کے بعد دو ماہ تک ایرانیوں کا انتظار کرنا پڑا۔ اور جب سامانِ رسد کی ضرورت پیدا ہوتی، وہ ارد گرد کے علاقوں میں چھاپے مارتے اور ضروری سامان حاصل کر لیتے۔

قادسیہ کا تاریخی معرکہ

قادسیہ میں لشکرِ اسلام کے قیام اور ملحقہ علاقوں میں عربوں کی لوٹ کھسوٹ کی خبریں دربارِ ایران میں پہنچیں۔ وزیرِ جنگ رستم مسلمانوں سے

لڑائی مول لینے سے ہچکچاتا تھا۔ اور اُس کا خیال تھا کہ جنگ کو جس قدر التوا میں ڈالا جائے ایرانیوں کے لئے بہتر ہوگا۔ چنانچہ یزدجرد شاہِ ایران نے جب اُسے بذاتِ خود قادسیہ پہنچنے اور مسلمانوں سے نبٹنے کا حکم دیا، تو اُس نے مدائن سے قادسیہ پہنچتے پہنچتے چھ ماہ لگا دیئے۔ ایک لاکھ اسّی ہزار فوج اُس کے ساتھ تھی۔ اس کے باوجود وہ امکان کی آخری حد تک لڑائی کو ٹالنا چاہتا تھا۔ قادسیہ پہنچ کر اُس نے کافی عرصہ گفتگوئے مصالحت میں گزار دیا۔ دربارِ ایران رستم کی اس روش پر حیران تھا، اور اُسے بار بار احکام پہنچ رہے تھے، کہ جلد از جلد جنگ کا آغاز کرے۔ آخر جب گفتگوئے مصالحت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور مسلمان اپنی تینوں مخصوص شرطوں میں ادنیٰ تبدیلی کے لئے تیار نہ ہوئے تو رستم نے دریا کو عبور کیا، اور لشکرِ اسلام کے مقابلے میں صف آرا ہو گیا۔ ایرانی لشکر کے ہر حصے میں جنگی ہاتھیوں کی قطاریں خاص ترتیب سے کھڑی کی گئی تھیں۔ زرہ پوشوں کے مخصوص دستے بھی جگہ جگہ متعین تھے۔ سلسلۂ جنگ مبارز طلبی سے بڑھ کر جنگِ مغلوبہ کی صورت اختیار کر گیا۔

قادسیہ کا یہ تاریخی معرکہ تین دن جاری رہا۔ پہلے دو روز غروبِ آفتاب کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تھے۔ لیکن تیسرے دن غروبِ آفتاب کے بعد بھی معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری رہا۔ اس روز حضرت ابو عبیدہؓ کا بھیجا ہوا لشکر ہاشم بن عتبہ کی قیادت میں پہنچ گیا۔ حضرت قعقاعؓ بھی اس امدادی فوج کے ہراول دستے کے سالار تھے۔ ان کے زوردار حملوں سے لشکرِ ایران میں کھلبلی مچ گئی، اور اپنی رکابی فوج کے

ساتھ لڑتے لڑتے وہ رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ رستم نے تخت سے اُتر کر اس فوج پر حملہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگا اور نہر میں کود پڑا۔ حضرت ہلال رضی بجلی کی تیزی سے گھوڑے پر سے نہر میں کود پڑے۔ سپہ سالار ایران کی ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے، اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔

رُستم کو قتل کر کے حضرت ہلال رضی اُس کے تخت پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکارا کہ "خدا کی قسم! میں نے رستم سپہ سالار ایران کو قتل کر دیا۔" اس آواز کا سننا تھا کہ ایرانی فوجیں بدحواس ہو کر میدان سے بھاگ نکلیں تیس ہزار ایرانی فوج جو گھوڑوں پر سوار تھی، سب کی سب میدانِ جنگ میں قتل ہو کر رہ گئی۔ پیادہ فوج جو مقتول ہوئی اس سے کہیں زیادہ تھی۔

جنگِ قادسیہ کے نتائج کا بارگاہِ خلافت میں انتظار انتہائی بے چینی سے جاری تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی روزانہ تین تین میل قاصد کے انتظار میں مدینے سے باہر نکل آتے۔ اور آخر ایک دن جب قاصد نمودار ہوا، اور اُس نے فتح قادسیہ کی خبر سنائی تو آپ اُس کی رکاب پکڑے اور جنگ کے حالات دریافت کرتے شہر تک دوڑتے گئے۔ قاصد اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ جو شخص اس کی رکاب پکڑے ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہے وہ مسلمانوں کا عظیم المرتبت سردار فاروقِ اعظم رضی ہے، اور شہر میں داخل ہونے پر جب اُس نے دیکھا کہ ہر شخص انہیں انتہائی ادب سے سلام کر رہا ہے، تو پہلی دفعہ اُسے معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑنے والے امیر المومنین ہیں دوڑتے ہوئے اس نے سواری سے اُترنا چاہا۔ لیکن فاروقِ اعظم رضی نے اُسے

یدکی کہ بدستور سوار رہے اور جنگ کے حالات بتاتا جائے ÷

لشکرِ اسلام دارالحکومت ایران میں

اسلامی فوجوں نے دو ماہ تک قادسیہ میں دربارِ خلافت کے احکام کا انتظار کیا، اور احکام موصول ہونے پر وہ ایران کے دارالحکومت شہر مدائن کی طرف بڑھے۔ بابل کی فتح کے بعد کوثی میں ایرانیوں کے مشہور سردار شہریار نے مقابلہ کیا۔ شہریار جب میدان میں نکلا، اور اس نے اپنا مبارز طلب کیا۔ بنی تمیم کا ایک غلام نائل بن جعشم اس کے مقابلے کے لئے نکلا۔ نائلؓ شہریار کے مقابلے میں بہت کمزور تھا لیکن خدا کی قدرت دیکھئے کہ شہریار اس کے ہاتھوں مقتول ہوا، اور ایرانی فوج میدان سے بھاگ نکلی۔ حضرت سعدؓ نے نائل کو حکم دیا کہ ایرانی سردار کا شاہی لباس اور تاج پہن کر نکلے چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور سب نے دیکھا کہ اسلامی اخوت کے صدقے میں بنی تمیم کا غلام ایک ایسے لباس میں ملبوس ہے جو دنیا کے بادشاہوں کے نصیب میں نہیں ÷

دریائے دجلہ کے اس کنارے بہرہ شیر کا مشہور شہر تھا مسلمانوں کو اس شہر کا محاصرہ تین ماہ تک جاری رکھنا پڑا۔ محاصرے سے تنگ آ کر ایرانی فوج مقابلے کے لئے نکلی۔ لیکن اس کا حشر بھی ان فوجوں سے مختلف نہ تھا جو اس سے قبل مسلمانوں کے مقابلے میں آئیں ÷

دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر مدائن کا خوبصورت شہر تھا جو سلطنت ایران کا دارالحکومت ہونے کی بنا پر دُنیا بھر کے شہروں میں ممتاز تھا قصرِ ابیض جیسے محلات شاہی خزانوں اور نادرات روزگار کا مرکز ہونے کی حیثیت سے اس شہر کو شہرۂ آفاق اہمیت حاصل تھی ؛

دریائے دجلہ کے پُل توڑ دیئے گئے تھے۔ اُس کی طوفانی موجوں کو عبور کرنا انسانی بس کی بات نہ تھی۔ اسلامی فوج کے ہراول دستے دریا کے کنارے احکام کے منتظر کھڑے تھے کہ سپہ سالار حضرت سعدؓ بقیہ فوج لے کر پہنچ گئے اور تیر اندازوں کے ایک دستے کو کنارے پر چھوڑ کر انہوں نے ساری فوج کو دریا میں گھوڑے ڈالنے کا حکم دیا۔ دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر ایرانی فوجیں اور مدائن کے باشندے دم بخود دیکھ رہے تھے کہ غازیانِ اسلام گھوڑے دجلہ کی ہلاکت خیز موجوں کو چیرتے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں اُن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ تاریخ کا ایک بے مثال منظر تھا۔ آسمان نے اس سے پہلے سکندر اور اسکندر کی یلغاریں دیکھی تھیں لیکن کسی فاتح کی فوجوں کو اس جانبازی سے دریا کی خوفناک موجوں پر سوار نہیں دیکھا تھا۔

شاہ ایران، اُس کے اُمراء و وزراء اور سپہ سالاروں نے جان لیا کہ مجاہدوں کا یہ کارنامہ تھا اور اُنہوں نے محسوس کیا کہ ایسے لوگوں کا مقابلہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اُنہوں نے ضروری سامان ساتھ لیا، اور مدائن سے بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے دجلہ کو عبور کیا اور کسی مقابلے کے بغیر وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ جمعہ کا مبارک دن تھا مسلمانوں نے قصرِ ابیض

نماز کی صفیں درست کیں۔ شاہِ ایران کے تخت کی جگہ منبر بچھایا گیا۔ جہاں کھڑے ہو کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے خطبہ دیا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر وہ مالِ غنیمت کے اہتمام میں لگ گئے۔ شاہِ ایران کی نادر روزگار چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ چاندی سونے کی مورتیں، کسریٰ کے شاہی ملبوسات اس کا زرنگار تاج، شاہی تخت بھی مالِ غنیمت میں شامل تھیں۔ شاہی خزانوں اور عجائب خانوں کے نوادرات اس سے علاوہ تھے۔ یہ تمام نوادرات اور خزانے فوج کا خمس وضع کر لینے کے بعد دربارِ خلافت میں نہایت اہتمام کے ساتھ روانہ کر دیئے گئے۔

جلولاء اور حلوان کی فتح

دارالحکومت مدائن سے راہِ فرار اختیار کر کے شاہِ ایران جلولاء میں پناہ گزین ہوا۔ مختلف میدانوں سے بھاگے ہوئے لاکھوں ایرانی جنگجو اس جگہ جمع تھے۔ اہلِ ایران کی نگاہیں اس جنگ کے نتیجہ پر لگی تھیں۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ہاشمؓ بن عتبہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء کی طرف روانہ کیا۔ حضرت قعقاعؓ ہراول دستوں کے کمانڈر تھے۔ اور انہوں نے آگے بڑھ کر اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کئی ماہ کے طویل محاصرے اور معرکہ آرائیوں کے بعد ایرانی فوجیں ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے شہر سے باہر نکل آئیں۔ ایرانی لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ وہ سامانِ حرب و ضرب سے بھی

پوری طرح مسلح تھے۔ اُنھوں نے دیوانہ وار اپنی جانوں کی بازی لگائی لیکن رحمتِ باری برابر مسلمانوں کا ساتھ دے رہی تھی۔ ایرانیوں کو ایک لاکھ لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ بے پناہ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

سقوطِ جلولاء کے بعد یزدجرد شاہِ ایران کے تعاقب میں حضرت قعقاعؓ حلوان پر حملہ آور ہوئے۔ خسرو شنوم شاہِ ایران کی ہدایت پر مقابلے کے لئے آیا۔ لیکن شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی۔ یزدجرد یہاں سے رے کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت قعقاعؓ حلوان میں داخل ہوئے۔

مذکورہ فتوحات کے بعد حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت میں فتوحات کی مفصل رپورٹ اور مالِ غنیمت حضرت زیادؓ کے ہاتھ روانہ کئے۔ یہ مال اس قدر زیادہ تھا کہ مسجدِ نبوی کا صحن جواہرات اور موتیوں سے جگمگا اُٹھا۔ حضرت عمرؓ نے جواہرات اور موتیوں کا یہ ڈھیر دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دوسری قوموں کی طرح دولت کے یہ انبار مسلمانوں میں بھی حسد و رقابت اور بغض و عناد کا زہر پھیلا دیں گے۔

فوجی چھاؤنیوں کی تعمیر

فاروقِ اعظمؓ کی دُوربین نگاہوں نے عراق سے لوٹنے والے مجاہدوں کی حالت سے یہ اندازہ لگایا کہ عراق کی آب و ہوا مجاہدینِ اسلام کی صحت کو

مان پہنچا رہی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے احکام جاری کئے کہ اُن مقامات پر
ن کی آب و ہوا سرزمین عرب کے مطابق ہو، فوجی چھاؤنیاں قائم کی جائیں
ن مقصد کے لئے دو مقامات تجویز کئے گئے جہاں کچی بارکیں جن پر پھوس
ے چھپر تھے، قائم کی گئیں۔ اِن چھاؤنیوں کے ساتھ آہستہ آہستہ کوفہ و بصرہ
ے شہر آباد ہوتے گئے، اور اُن کی رونق دن بدن بڑھتی گئی۔ چھاؤنیوں میں
لامی فوجوں کو آرام کرنے اور زخمیوں اور بیماروں کو صحت یاب ہونے کی
ہولتیں اور مواقع میسر آتے، اور اس طرح فوجوں کے لئے آب و ہوا کے
اسب سے چھاؤنیوں کے قیام کا آغاز ہوا۔ مفتوحہ علاقوں میں جہاں کہیں
اوت کے شعلے بلند ہوتے، بصرہ و کوفہ کی فوجی چھاؤنیوں سے فوراً مجاہدین
لام کے دستے روانہ ہوتے اور آب شمشیر سے اِن شعلوں کو آنِ واحد
ں ٹھنڈا کر کے رکھ دیتے۔

فوجی چھاؤنیوں کے قیام سے ہر جگہ اسلامی حکومت کا رعب قائم ہو
لیا، اور کسی علاقہ میں ایران کے بدنیت سرداروں کو ہمت نہ ہوتی کہ مسلمانوں
کے خلاف بغاوت کی سازشیں بروئے کار لا سکیں۔ ابتدا میں جن ایرانی
سرداروں نے علم بغاوت بلند کیا، اُن کی سرکوبی اس تیزی سے ہوئی، کہ
آئندہ کے لئے یہ سوال بالکل ختم ہو گیا۔

شہنشاہِ ایران کی بے کسی و بیچارگی

ایران کا عظیم جلیل شہنشاہ جس کی عظمت و جلالت کے ڈنکے دریائے سندھ کے کناروں اور کشمیر کی وادیوں سے لے کر صحرائے عرب تک بجتے جس کی سطوت و جبروت دنیائے مشرق سے خراج تحسین وصول کرتی تھی ہاں وہی یزدجرد جو اپنے جیسے لاکھوں انسانوں سے عجز و نیاز کے سجدے کیا کرتا تھا، خدائے واحد کے پرستاروں سے شکست کھا کر بھاگ رہا تھا مدائن کے سفید محلات سے وہ اپنا تخت و تاج چھوڑ کر بھاگا۔ جلولا اور اس کی حفاظت سے اظہارِ عجز کر گئے۔ رے اور اصفہان کی وسعتیں اس پر تنگ ہو گئیں۔ اسلامی فتوحات کا سیلاب عظیم برابر اصفہان، آذربائیجان، طبرستان، کرمان اور مکران کی وسعتوں میں پھیلتا چلا گیا۔

یزدجرد نے مرو میں پہنچ کر کسی قدر اطمینان کا سانس لیا اور ڈیڑھ لاکھ کا ایک لشکرِ جرار مسلمانوں کے مقابلے میں تیار کر کے بھیجا۔ لیکن توحید کے مخلص ترین علمبرداروں کے مقابلے میں وہ یہ بازی بھی ہار گیا۔ نہاوند کے مقام پر مسلمانوں کی یہ فتح عظیم ہرات اور خراسان کو اسلام کے قبضہ میں لے آئی۔ یزدجرد بلخ سے بھی شکست کھا کر بھاگا۔ اور فرغانہ میں خاقان چین سے امداد کا خواہاں ہوا۔ یہ امداد بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ خاقان اور یزدجرد دونوں کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ یزدجرد کا بیش بہا سامان اور زر و مال اس کے اپنے سرداروں نے لوٹ لیا، اور بے کسی اور بے چارگی

ویر بن کر مشرق کا یہ سب سے بڑا شہنشاہ ترکستان میں پناہ گزین ہو گیا۔
اسلامی فتوحات کا سیلاب ترکستان اور چین تک بڑھنے کے لئے بیقرار
ا۔ لیکن فاروق اعظمؓ نے جہاں مجاہدین اسلام کی ان عظیم فتوحات پر خراج
ین پیش کیا وہاں فوجوں کو خراسان سے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ان کی
ر اندیشی اس امر کی قائل نہ تھی کہ فتوحات کا پھیلاؤ اس قدر وسعت اختیار
جائے کہ انتظام کرنا ناممکن ہو جائے۔ خراسان کی فتح پر بے ساختہ ان
زبان سے نکلا :-

"اے کاش کہ ہمارے اور خراسان کے درمیان
آگ کا سمندر حائل ہوتا!"

سلطنت ایران پر اسلامی قبضہ کی تکمیل نے دار الخلافت اسلامیہ میں
سرت کی لہریں دوڑا دیں۔ مسجد نبوی میں توحید کے پرستاروں کا ایک عظیم
جتماع ہوا۔ جب قوم کے محبوب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے یوں مخاطب کیا :

"مجوسیوں کی حکومت آج فنا ہو چکی۔ وہ اپنے
ملک میں بھی بالشت بھر حکومت کے مالک نہ ہو
سکیں گے۔

مسلمانو! خدا نے تمہیں مجوسیوں کی زمین،
ان کے ملک اور اموال و املاک کا قبضہ اس لئے بخشا
تاکہ تمہارے اعمال و کردار کی آزمائش کرے۔ تم پر
لازم ہے کہ اس آزمائش میں ہمیشہ پورے اترو۔ اپنے

کردار میں تبدیلی اور کمزوری نہ آنے دو۔ ورنہ یاد رکھو
کہ خدا کا بے لاگ قانون دوسروں کی طرح تمہیں بھی
معاف نہیں کرے گا۔ مجوسیوں کی طرح تمہاری حکومت
بھی چھین جائے گی۔ اور تم سے بہتر کسی دوسری قوم
کے حوالے کر دی جائے گی۔"

فاروقِ اعظمؓ شہادت کی آغوش میں

فاروقِ اعظمؓ کی خلافت کا زمانہ اسلام کے انتہائی عروج اور غلبہ
تھا۔ اسلام کو جہانگیری اور جہانبانی کی منزل تک پہنچانے کے لئے انہوں
دن رات اپنی جان لڑائی۔ ذی الحجہ ۲۳ھ کی آخری تاریخیں تھیں
ایک آتش پرست غلام ابولولو فیروز نامی نے اپنے آقا کے زیادہ محصول
وصول کرنے کی شکایت امیر المومنین کی خدمت میں کی۔ لیکن یہ
کر کے کہ ابولولو نقاشی، نجاری اور دیگر کئی صنعتوں میں مشاق ہے
نے فیصلہ کیا کہ وہ زیادہ رقم ادا نہیں کر رہا۔ فیصلہ چونکہ ابولولو
کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ دل میں کافی غم و غصہ لے کر رخصت ہوا
رخصت کے وقت فاروقِ اعظمؓ نے اُسے ہوا کے زور پر چلنے والی
چکی بنانے کو کہا۔ ابولولو پہلے ہی غصے میں بھرا ہوا تھا، جواباً کہنے
بہت اچھا۔ میں آپ کو ایسی چکی بنا کر دوں گا جس کی آواز مشرق و مغرب

ٹھنیں گے۔ اس واقعہ کے اگلے روز جب فاروق اعظم رضی نماز فجر کی امامت کے لئے کھڑے ہوئے تو اُن کی اقتدا میں ابُولولو بھی ایک خنجر لئے شامل تھا جونہی نماز شروع ہوئی۔ بدبخت نے خنجر سے آپ پر حملہ کردیا اور پے در پے چھ وار آپ پر کئے۔ امیرالمومنین نے شدید مجروح ہونے کے باوجود عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنی جگہ کھڑا کیا۔ لیکن بالآخر چکرا کر گر پڑے۔

ابُولولو نے گرفتاری سے بچنے کے لئے ایک اور صحابی پر بھی کاری وار کیا۔ لیکن بالآخر گرفتار ہوا اور گرفتار ہوتے ہی خودکشی کر لی۔ امیرالمومنین نے جب جانبر ہونے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، زبیرؓ بن عوام اور طلحہؓ کی ایک مجلس قائم کی۔ اور انہیں وصیت کی کہ باہمی مشورہ سے جس کو چاہیں اپنے میں سے خلیفہ منتخب کرلیں۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ منتخب امیرالمومنین انصار کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ وہ مہاجرین اور ذمیوں کا بھی پورا خیال رکھے۔ ازاں بعد آپ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمر کو حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو خلیفہ اوّل ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کئے جانے کی اجازت حاصل کرے۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ نے اس کی بخوشی اجازت دے دی۔ فاروق اعظمؓ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو زخمی ہوئے اور تین دن بعد یکم محرم ۲۴ھ کو آسمانِ خلافت کا یہ آفتاب ساڑھے دس برس کی نور افشانیوں کے بعد آغوشِ شہادت میں ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

خلافتِ فاروقی پر ایک طائرانہ نظر

فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت کو اگر تاریخِ اسلام کا سنہری زمانہ قرار دیا جائے تو غلط نہیں۔ مشہور ہندو رہنما شیرِ پنجاب لالہ لاجپت رائے کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں، کہ :-

"میں اسلام سے محبت کرتا ہوں اور میرے نزدیک اسلام کا بہترین رنگ وہ تھا، جو حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں نمایاں ہوا"

عرب کی گمنام قوم جسے ظہورِ اسلام سے قبل دنیا کی ممتاز قوموں میں کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل نہ تھا۔ عہدِ فاروقی میں دنیا کی سب سے بڑھ کر فاتح، غالب اور مہذب قوم بن گئی۔ اس کی فتوحات کا سیلاب یورپ اور ایشیا دونوں کے پہاڑوں، دریاؤں، میدانوں اور ریگ زاروں کو روندتا چلا گیا۔ لاکھوں کی مسلح فوجیں اور جنگی ہاتھیوں کی قطاریں اس کی شمشیرِ خارا شگاف سے گاجر مولی کی طرح کٹ گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج اُن کے قدموں میں لوٹتے دیکھے گئے۔ مشرق میں بلوچستان اور خراسان تک اور مغرب میں قسطنطنیہ اور مصر تک اُن کے اقتدار کے پرچم لہرانے لگے۔ ایران، عراق، روم و شام، فلسطین، مصر، ایشیائے کوچک، خراسان اور بلوچستان کے وسیع ممالک میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل کا رقبہ خلافتِ فاروقی کے پرچم کے سائے میں مفتوح ہوا۔ یہ عظیم سلطنت بائیس

لیسے بڑے صوبوں میں تقسیم تھی۔ جہاں فاروق اعظمؓ کے حسنِ انتظام سے ایک
ب والی یا عامل، ایک ایک میر منشی یا چیف سکرٹری، ایک بخشی فوج، ایک
اصاحب الخراج (کلکٹر) ایک افسرِ اعلٰے پولیس، ایک افسر خزانہ اور ایک
صنی (چیف جسٹس) ہر صوبے میں موجود رہتا۔ فاروق اعظم نے دُنیا میں پہلی
فعہ پولیس، ڈاک اور عدالتوں کے باضابطہ نظام کی تاسیس کی۔ فوجی قائم
ر چھاؤنیاں قائم کیں۔ وصولیٔ زکوٰۃ کا محکمہ قائم کیا۔ جیلخانوں کا قیام عمل
ں لایا گیا۔ سڑکیں اور اُن پر کنویں اور مکانات بنوائے۔ صوبائی گورنروں کا
جلاس حج کے موقعہ پر مکّہ معظمہ میں طلب کیا جاتا جہاں ہر گورنر کے خلاف
جلاسِ عام میں شکایات سُنی جاتیں اور جواب طلبی کی جاتی۔

مسلمانوں کے اس عظیم المرتبت امیر المومنین کی زندگی اس قدر سادہ
ور ملّت کے عروج کے لئے اس حد تک وقف تھی۔ جس کی مثال تاریخ پیش
کرنے سے عاجز ہے۔ اس وقت جبکہ اسلامی فتوحات کا سیلاب دومۃ الکبریٰ
ور قسطنطنیہ سے لے کر ایران تک پھیل چکا تھا مسلمانوں کا یہ شہنشاہ پیوند
لگے کُرتے میں بیت المال کے اونٹوں کی تلاش میں سرگرداں پھرتا خشک
روٹی اور نمک پر بسر اوقات کرتا۔ روم و ایران کے نقشے سامنے پھیلے
ہوتے۔ شتر سوار قاصد حکم کے منتظر کھڑے ہوتے۔ نقشے سے نگاہیں بلند
ہوتیں۔ اور سپہ سالارانِ عساکرِ اسلام کے نام آگے بڑھنے کے احکام صادر
ہوتے۔ قاصد احکام لے کر برق رفتاری سے جنگ کے میدانوں میں پہنچتے
امیر المومنین کے احکام پر سر نیاز خم ہو جاتا۔ سرفروشانِ اسلام نئے عزائم

سے سرشار ہو جاتے اور فتوحات کے نئے میدانوں کی طرف ان کی یلغار شروع ہو جاتی۔ فاروق اعظمؓ منبر رسولؐ پر کھڑے ہزاروں میل دور ساریہؓ کی فوج کو پیچھے ہٹتے دیکھتے۔ وہیں خطبے کے دوران میں پکار اٹھتے :۔

یَا سَارِیَۃ اِلَی الْجَبَل! اِلَی الْجَبَل!! اِلَی الْجَبَل!!!

یہ آواز ہزاروں میل دور ایران کے میدانِ جنگ میں سنائی دیتی۔ اسلامی فوج سمٹ سمٹا کر پہاڑ کے دامن میں جمع ہو جاتی، اور ہلاکت سے بچ کر تازہ دم ہوتی اور بار بار دشمنوں پر بھوکے شیروں کی طرح ٹوٹ پڑتی۔

عہدِ فاروقی اپنی جہانگیر فتوحات کے اعتبار سے حیران کن اور بے مثال ہے۔ کروڑوں کے خزانے، ہیرے، جواہرات، مرصع شاہی تاج، قالین، ملبوسات اور سامانِ جنگ مدینے کی طرف کھچے چلے آتے۔ مسجدِ نبوی میں سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگ جاتے۔ اس کے باوجود فاروقِ اعظم کی سادگی وہ بے مثال سادگی تھی جس کا عکس پوری قوم میں نظر آتا۔ ایران و روما کو روند کر بھی مجاہدینِ اسلام عرب کے مخصوص سادہ لباس سے ملبوس نظر آتے۔ ہزاروں بیش قیمت خیموں کے قبضے کے باوجود میدانِ جنگ میں وہی خیمے ہوتے جو عرب سے لے کر نکلے تھے۔ ایران کے سفید محلات قابض ہونے کے بعد بھی اُن کی سادگی، جانفشانی اور سرفروشی میں کوئی فرق نمایاں نہ ہوا۔

قوم کے اس نازک کیرکٹر کی تعمیر میں فاروقِ اعظمؓ کا ہاتھ کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ بیت المقدس کے تاریخی سفر میں جہاں عیسائی دنیا کے

ے بڑے مذہبی و ملکی رہنما مسلمانوں کے سردار کا جاہ و جلال دیکھنے کے منتظر تھے۔ مسلمانوں کا یہ فتحمند سردار اس شان سے بیت المقدس کی شہرپناہ کے سامنے آیا کہ سر پر ایک معمولی سا کپڑا بندھا تھا، اور پھٹی ہوئی گلیم کندھوں پر تھی۔ انہوں نے جب سردارانِ لشکر کو لباس فاخرہ میں دیکھا تو چہرہ غضب آلود ہو گیا، اور سنگریزے مارتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑے۔

الغرض فاروقِ اعظم رض کی انتہائی سادگی اور بےنفسی، بےپناہ ایثار، حُسنِ تدبّر، مایۂ ناز انتظامی اور سیاسی قابلیت نے مسلمانوں کو قومی عظمت کے بلند ترین معیار تک پہنچا دیا۔ مسلمانوں کے قومی اخلاق، عالی حوصلگی، رواداری، عدل و انصاف، اخوّت، رحم اور ایثار و اخلاص کا سکّہ ساری دُنیا پر بیٹھ گیا۔ فاروقِ اعظم رض کی مردم شناسی نے مسلمانوں کی ان قومی صفات کو اور چلا دی۔ مؤرخ آج تک ان کے حسنِ انتخاب کے مدّاح ہیں۔ انہوں نے ہر سرداری کے لیے بہترین انتخاب کیا۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ قدم قدم پر فتحمندی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور ان کے مختصر دستوں نے بڑی بڑی جرّار فوجوں کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔

فاروقِ اعظم رض ایک ایسے وقت پر دُنیا سے رخصت ہوئے، جب کہ مسلمانوں کو اقوامِ عالم کی صف میں ممتاز ترین مقام حاصل ہو چکا تھا۔ اور اگر قدرت انہیں چند سال مزید زندہ رہنے کا موقع دیتی، تو اسلام دُنیا کے آخری گوشوں تک اپنی جہانگیری کے جھنڈے گاڑ دیتا، اور توحید کی یہ عالمگیر سلطنت اسی شوکت، ابہت اور جلال کی علمبردار ہوتی

جو زندۂ جاوید اور لازوال ہوتا ۔

خلافتِ عثمانی

سنہ ۲۴ھ تا سنہ ۳۵ھ

حضرت عثمانؓ کا انتخاب

فاروقِ اعظمؓ کی وصیت کے مطابق اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کے مکان پر جلیل القدر صحابہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، زبیرؓ بن عوام، سعدؓ بن ابی وقاص کی مجلس نے انتخاب خلافت کے اہم مسئلہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنا اجلاس کیا۔ حضرتِ طلحہؓ مدینے میں عدم موجودگی کی وجہ سے شریکِ اجلاس نہ ہو سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی مجلس میں شریک ہونے اور رائے دینے کا حق تھا لیکن وہ وصیت فاروقی کے مطابق خلافت کے اُمیدوار نہیں بن سکتے تھے۔ حضرت مقدادؓ ابن الاسود بطور نگہبان دروازے پر متعین تھے تاکہ کوئی بدنیت فتنہ و فساد کی صورت پیدا نہ کر سکے۔

اجلاس شروع ہونے پر سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کھڑے ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، کہ اگر کوئی رُکن خلافت کے حق سے دستبردار ہو جائیں تو امیر المومنین کے انتخاب کا حق اُسے حاصل ہو گا۔ کافی دیر کے انتظار کے بعد بھی مجلس کا کوئی رُکن اپنے

حق سے دستبرداری کے لئے آمادہ نظر نہ آیا۔ تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اعلان کیا کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہوتے ہیں۔ اور اس امر کے لئے تیار ہیں فاروقِ اعظمؓ کے جانشین کا انتخاب کریں۔ حضرت علیؓ کے سوا سب ارکانِ مجلس نے ان کی تائید کی اور جب انہوں نے یہ یقین دلایا کہ دورانِ انتخاب میں ملت کی فوز و فلاح کے سوا کوئی اور غرض پیشِ نظر نہ رکھیں گے۔ تو حضرت علیؓ نے بھی انتخاب کا قطعی فیصلہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر چھوڑ دیا۔

ملّتِ اسلامیہ کے ممتاز ترین نمائندوں کا یہ اجلاس ساری رات جاری رہا۔ اگلے روز عبدالرحمٰنؓ نے مجلسِ انتخاب کے ہر رُکن کو الگ لے جا کر اس کی ذاتی رائے معلوم کی۔ ہر رائے کو مختلف زاویوں سے جانچا۔ ایک دوسرے کے متعلق ارکان کے خیالات کا جائزہ لیا۔ دیگر مسلمانوں سے مشاورت کی۔

آج نمازِ فجر کے وقت نئے امیرالمومنین کے انتخاب کا اعلان سننے کے لئے مسجدِ نبوی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ حاضرین کا انتظار بے تابی کے آخری مرحلوں پر پہنچ گیا تھا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اُٹھے۔ منبر کے قریب تشریف لائے اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ انتخابِ خلیفہ کے متعلق انہوں نے جمہور کے رجحانات کا پورا جائزہ لیا ہے۔ مجلسِ انتخاب کے ارکان بھی ان کے فیصلے کو ناطق تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ و علیؓ کو باری باری اپنے پاس بلایا، اور ان سے اس امر کا اقرار لینا چاہا کہ وہ خدا اور رسولؐ کے احکام اور پہلے دونوں خلفاء کی سُنّت کی متابعت کریں گے۔ عثمانؓ نے اس کا اقرار کیا، لیکن حضرت علیؓ

سے نے جہاں خدا اور رسولؐ کے احکام پر چلنے کا یقین دلایا۔ وہاں اُنہوں نے سنّتِ شیخین کی متابعت سے انکار کیا ۔

عبدالرحمٰنؓ بن عوف منبر کے قریب آئے اور حضرت عثمانؓ کے حق میں انتخاب کا اعلان کر دیا۔ اور آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد دیگر حاضرینِ مسجد نے باری باری بیعت کی حضرت علیؓ بھی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے، اور عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یکم محرم ۲۴ھ کو خلافتِ عثمانی کا آغاز ہو گیا ۔

انتخاب کے بعد حضرت عثمانؓ امیر المومنین کی حیثیت سے منبر پر تشریف لائے۔ اور ایک مختصر خطبے میں حاضرین کو اعمالِ صالحہ کی ترغیب دلائی، اور رضائے الٰہی کو مقدم سمجھنے پر زور دیا۔ ازاں بعد اُنہوں نے تمام صوبوں کے عاملین کے نام فرمانِ عام جاری کیا۔ جس میں فاروقِ اعظمؓ کی وفات اور اپنے خلیفہ منتخب ہونے کا ذکر کیا۔ اور اُنہیں حسبِ سابق اپنے فرائض کو اخلاص سے نبھانے کی ہدایت کی ۔

شمالی افریقہ کی تسخیر

فاروقِ اعظمؓ کی خلافت میں ایران و روما کی عظیم الشان سلطنتیں مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں آ چکی تھیں، اِس لئے حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے آغاز میں مسلمانوں کی نگاہیں شمالی افریقہ کی طرف اُٹھیں۔ سنِ فتح بیت المقدس

کے موقع پر عمروبن عاص کو مصر پر حملہ آور ہونے کا موقع دیا گیا تھا اور مقوقس شاہ مصر ادائیگی جزیہ کی بنا پر مسلمانوں کی سیادت کو تسلیم کر چکا تھا لیکن رومی مصر کو اپنی باجگذار ریاست سمجھتے تھے، اور ہرقل کی وفات کے بعد اس کے جانشین قسطنطین نے پہلا کام یہ کیا کہ بحری جہازوں کے ذریعے ایک مہم فتح مصر کی خاطر روانہ کی۔ اسکندریہ میں شاہ مصر نے رومیوں کو روکا۔ اور مسلمانوں کو قاہرہ میں اس حملے کی اطلاع دی۔ اسلامی لشکر فوراً قاہرہ سے عازم اسکندریہ ہوا۔ رومی فوج نے شکست فاش کھائی اور وہ لاتعداد سپاہیوں اور اپنے سپہ سالار کی لاشیں چھوڑ کر بحری کشتیوں میں قسطنطنیہ کی طرف بھاگ نکلی +

۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ نے عمروؓ بن عاص کو معزول کر دیا اور اُن کی جگہ عبدؓاللہ بن سعد کو عامل مقرر کیا۔ عبداللہؓ بن سعد کی تقرری سے مصر میں بے اطمینانی پیدا ہوئی، جس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے رومیوں نے از سرِ نو مصر پر حملہ کیا، اور اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ کی ناکامی کے بعد عمروؓ بن عاصؓ کو پھر رومیوں کے مقابلے میں بھیجا گیا۔ اور جب اُنھوں نے رومیوں کو شکست پر شکست دے کر پورے مصر کو رومی خطرے سے پاک کر دیا تو واپس بُلا لئے گئے۔

عبداللہؓ بن سعد اپنی ناکامی کے داغ دھونے کا تہیہ کر چکے تھے اُنھوں نے دربارِ خلافت سے شمالی افریقہ کے دیگر ممالک مراکش، الجیریا اور طیونس پر حملہ آور ہونے کے احکام حاصل کئے اور دس ہزار فوج کے ساتھ وہ طرابلس کی طرف بڑھے۔ مدینے سے بھی اُن کی امداد کے لئے فوج روانہ کی

گئی جس میں عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ، عمروؓ بن عاص اور حضرت امام حسنؓ و حسینؓ جیسی ممتاز شخصیتیں شامل تھیں۔ اس ملاقہ کے فرمانروا جرجیر نے جان توڑ مقابلہ کیا۔ کئی دن کی مسلسل لڑائی کے بعد ایک دن ابن زبیرؓ کچھ فوج لے کر الگ رہے، اور جب دونوں فوجیں لڑتے لڑتے تھک گئیں، تو وہ اپنی بقیہ فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جرجیر ابن زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ فوج نے شکست کھائی، اور اہلِ ملک نے دس ہزار دینار جزیہ ادا کر کے صلح کر لی۔

۲۸ھ میں عبداللہؓ بن نافع مصر کے نئے گورنر کے تقرر پر قسطنطین نے نئی طاقت جمع کر کے اسکندریہ پر حملہ کیا۔ لیکن اسلامی لشکر کے ہاتھوں تباہ حال ہو کر بھاگا۔ اور قبرص میں پناہ گزین ہوا۔ اسلامی فوج نے قبرص کا محاصرہ کر لیا۔ دوسری طرف سے امیر معاویہؓ گورنر شام حملہ آور ہوئے۔ قسطنطین کو شکست پر شکست ہوئی، اور آخر ایک روز وہ اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور ۲۵ھ کے آغاز تک مسلمان قبرص اور روڈس پر قابض ہو گئے۔

ایرانی بغاوتیں اور اسلامی فتوحات

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں صوبائی گورنروں کا عزل و نصب اس تیزی سے ہوا جس نے ایران در روما کے مفتوحہ علاقوں میں از سرِ نو سازشوں اور بغاوتوں کا امکان نمایاں کر دیا۔ عبداللہؓ بن عامر بصرہ

بن ابو موسیٰ اشعری کی جگہ متعین کئے گئے۔ عمیر بن عثمان کو گورنر خراسان مقرر کیا، اور وہاں کے پہلے گورنر عبید اللہ بن معمرؓ گورنر فارس مقرر کر دیئے گئے۔ مذکورہ تبدیلیاں اس قدر جلد ہوئیں کہ ایرانیوں نے اس سے فائدہ اُٹھا کر اصطخر اور جور کے مراکز سے بغاوت کے شعلے بھڑکا دیئے۔

عبد اللہ بن عامر گورنر بصرہ نے اصطخر پر چڑھائی کی، اور ایرانیوں کو شکست فاش دے کر عبید اللہ بن معمرؓ اور اُن کے رفقا کی شہادت کا انتقام لیتے ہوئے باغیوں کا بے پناہ قتل عام کیا۔ حرم بن حیان نے جور کا محاصرہ کر لیا، اور طویل محاصرے کے بعد آخر ایک رات بدررو کے راستے شہر میں داخل ہو گئے۔ اسلامی فوج نے جور اور اصطخر پر قبضہ کرنے کے بعد بغاوت کا پوری طرح سدّباب کیا۔ باغیوں کو قرار واقعی سزائیں دے کر تہس نہس کر دیا۔

سنہ ۳۱ھ میں خراسان میں بغاوت کے شعلے بلند ہوئے۔ لیکن عبد اللہ بن عامر نے فوج کشی کر کے ساری شورشوں کی کماحقّہٗ بیخ کنی کی۔ پھر سرات ہرخس اور نیشاپور کے سرکشوں کی سرکوبی کی۔ یہاں تک کہ فلک کے کسی گوشے میں کوئی فتنہ سر اُٹھانے کے قابل نہ رہا۔ ایرانیوں کے دلوں پر مسلمانوں کا خوف دہراس بیٹھ گیا، اور بالخصوص عبد اللہ بن عامر سے وہ بید دہشت زدہ ہوئے۔

سنہ ۳۲ھ کے اواخر میں قارن نامی ایرانی سردار نے ایک لشکر جرار اکٹھا کیا، اور وہ ابھی نبرد آزمائی کی تدبیروں پر غور ہی کر رہا تھا کہ عبد اللہ بن عامر کی مختصر اسلامی فوج جس کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس طرح دشمن پر حملہ آور ہوئی کہ ہر ایک مجاہد اسلام نے اپنے

نیزے سے مشعل باندھ رکھی تھی۔ رات کی تاریکی میں تین ہزار مشعلوں کے ساتھ آناً فاناً چڑھائی وہ عجیب منظر تھا، جس نے ایرانیوں کی چالیس ہزار فوج کو حواس باختہ کر دیا۔ وہ بلا سوچے اور بلا مقابلہ کئے بھاگ گئے اور بھاگتے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں قتل اور گرفتار ہوئے۔

کوہ قاف اور طرطوس تک

خلافت عثمانی کے دوسرے سال حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیئے گئے۔ ولید بن عقبہ ان کی جگہ مقرر کئے گئے۔ ان کی تقرری کے فوراً بعد آذر بائیجان میں بغاوت رونما ہوئی۔ ولید بن عقبہ نے آذر بائیجان پر حملہ کیا، اور وہ اس فتح سے ابھی فارغ ہوئے تھے کہ دربارِ خلافت سے حکم پہنچا، کہ دس ہزار فوج لے کر حبیب بن مسلمہ کی امداد کے لئے آرمینیا پہنچو۔

حضرت عثمانؓ کی اجازت حاصل کر کے امیر معاویہ نے حبیب کو آرمینیا پر چڑھائی کا حکم دیا تھا۔ حبیب رومیوں کو اکثر مقامات پر شکست دے کر بڑے بڑے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر چکے تھے کہ قسطنطین کے حکم پر ایک رومی سردار اسی ہزار فوج لے کر ان کے مقابلے میں پہنچ گیا۔ حبیب امداد کا خواہاں ہوا۔ چنانچہ امیر معاویہ اور دربارِ خلافت کی باہمی خط و کتابت کے بعد ولید بن عقبہ گورنر کوفہ کو ان کی امداد کرنے کا حکم ملا۔ ولید آذر بائیجان کی فتح

سے فارغ ہو کر آرمینیا پہنچے۔ حبیب اور ولید کی اسلامی فوجیں رومیوں کی فوجی قوت کے پرخچے اڑاتی کوہ قاف تک پہنچ گئیں۔ امیر معاویہ بنفس نفیس ایک فوج لے کر رومی علاقے پر حملہ آور ہوئے۔ اور انطاکیہ سے آگے بڑھ کر انہوں نے طرطوس تک تمام شہروں اور قلعوں کو فتح کر لیا۔ انہوں نے تمام قلعوں کو مسمار کر ڈالا۔ اور اُن کی بجائے اپنی فوجی چھاؤنیاں مختلف مقامات پر قائم کیں۔ رومی خوفزدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کرتے گئے اور کہیں بھی جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ عثمانی میں اسلامی سلطنت کی حدودِ انطاکیہ سے آگے بڑھ کر کوہ قاف اور طرطوس تک وسعت اختیار کر گئیں۔

فتنہ و فساد کا تہلکہ انگیز دور

خلافتِ عثمانی کے نصفِ اوّل میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ کسی نہ کسی حد تک جاری رہا۔ ایرانیوں اور رومیوں کی شورشیں بھی نہایت کامیابی سے دبا دی گئیں لیکن اُن کی خلافت کے آخری سال اپنوں ہی کی فتنہ انگیزیوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔ عثمان ذوالنّورین کی انتہائی نرم مزاجی اور رواداری نے اُن تمام فتنوں کو اُبھرنے کا موقع دے دیا، جو اسلام اور ملّتِ اسلام کے خلاف اندر ہی اندر خاموشی سے پرورش پا رہے تھے، اور فاروقی فتوحات اور فولادی نظام سے لرزہ براندام رہ کر برسرِ میدان آنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

عثمانؓ کی نرم مزاجی اور رواداری سے اِن فتنوں کی حوصلہ افزائی کا سامان پیدا ہوا۔ اور ان کی اقربا نوازی فتنہ پردازیوں کو علے الاعلان میدان میں لانے کا سہارا بن گئی۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ عزل ونصب کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ اور اکثر صوبوں میں حضرت عثمانؓ کے قرابتدار گورنر نظر آنے لگے۔ اقربا نوازی کا یہ سلسلہ بنی امیہ کے دشمنوں کو خاموش نہیں رکھ سکتا تھا۔

سبائیوں کا منظم پروپیگنڈہ بھی خلافت عثمانی کے خلاف دن رات جاری تھا۔ اس پروپیگنڈے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اُدھر تو اور رسولؐ خدا کے کئی سادہ دل صحابی اور بھولے بھالے مسلمان بھی سبائیوں کے جال میں پھنس گئے اور اپنی نیکدلی اور اخلاص کے باوجود اُنہوں نے فتنہ وفساد کے لشکر میں مقدمۃ الجیش کا فرض ادا کیا۔ یہ قیامت تھی کہ مالک اشترنخعی، عمار بن یاسر، ورقہ بن رافع اور محمد بن ابی بکر جیسے ممتاز مسلمان عبداللہ بن سبا کے متبعین کے قافلہ سالار بن کر آگے بڑھے، اور شہادت عثمانؓ سے ایک ایسے فساد کی آگ بھڑکائی جس کے شعلے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد آج تک سرد نہیں ہوئے۔

عبداللہ ابنِ سبا کے فتنہ انگیز کارنامے

عبداللہ ابن سبا کے فتنوں سے عالم اسلام کو آج تک نجات نہ مل

سکی ۔ شہر صنعا کے اس شیطان سیرت یہودی نے نام نہاد اسلام کا نقاب اوڑھ کر امّتِ محمدیہ میں فتنہ وفساد کا جو بیج بو دیا، اُس نے بالآخر ایک خاردار اور تناور درخت کی صُورت اختیار کر لی۔ جس کے کانٹے برابر تیرہ سو برس تک ملّتِ اسلامیہ کے تلووں کو لہُولہان کرتے چلے آئے۔ یہ فتنہ کبھی شہادتِ عثمانؓ کے رنگ میں نمودار ہؤا۔ اور کبھی کربلا کے ریگ زار کو خاندانِ رسالتماَبؐ کے خون سے لالہ زار بناتا رہا ٭

مسلمانوں کی جماعتی زندگی میں شامل ہو کر ابنِ سبا نے اُن کی داخلی کمزوریوں کا پُورا جائزہ لیا۔ اُس نے رسُولِ خداؐ حضرت علی رضؓ اور اہلِ بیت کے متعلّق غلط در غلط تاویلات کا جال تیار کیا۔ بڑے بڑے شہروں میں اپنے مراکز قائم کئے اور ہر مرکز سے خلافت کے مضبُوط دھاگے کو جس سے دُنیا بھر کے مسلمان بندھے ہوئے تھے، توڑنے کی پے در پے سازشیں کرتا رہا۔ وہ مدینے سے بصرہ اور بصرے سے کوفہ پہنچا۔ کوفے سے دمشق پہنچا۔ اور ہر جگہ اپنے شیطانی فتنے کا بیج بوتا مصر پہنچ گیا۔ اُس کی فتنہ انگیز تبلیغ کا اثر تھا، کہ فریب خوردہ مسلمان صوبائی گورنروں بلکہ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ تک کے خلاف گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے لگے۔ یزید بن قیس جیسے لوگوں میں یہ جرأت پیدا ہو گئی کہ وہ کوفہ سے اپنی جمعیت لے کر امیر المومنین کو خلافت سے الگ کرنے کے لئے چل پڑا۔ مالک اشتر نخعی جیسے صحابی لوگوں کو یزید بن قیس کے گروہ میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے رہے اور آخرکار ایک دِن اِن فتنہ پردازوں کی تیاد بقار بھی اُتر آئے ٭

ابن سبا انتہائی عیاری اور مکاری کے ساتھ حضرت علیؓ، زبیرؓ بن عوامؓ اور طلحہؓ جیسے ممتاز صحابہ کے نام سے فرضی خطوط مصر، کوفہ، شام، بصرہ وغیرہم کے بااثر لوگوں کے نام بھجواتا رہا جن میں لوگوں کو اس بات پر اُبھارا جاتا کہ جس طرح ممکن ہو مسند خلافت سے عثمانؓ کو الگ کر دیا جائے۔ مزید برآں اس نے بدکرداری کا ایک اور جال بچھایا، اور وہ یہ کہ اس کی جماعت کے ارکان ایک صوبے سے دوسرے صوبے کے لوگوں کے نام خطوط کا سلسلہ جاری رکھتے جن میں اپنے صوبائی گورنر کے ظلم کے فرضی واقعات اور مظلومی کی من گھڑت داستانیں درج ہوتیں۔ یہ شیطانی چکر پوری خلافت میں چلتا اور اس کا نفسیاتی ردِعمل یہ ہوتا کہ عوام کے دلوں پر حکام اعلیٰ کے فرضی مظالم کے خلاف ایک غبار بڑھتا چلا جاتا اور بدگمانیاں اور غلط فہمیاں ترقی پذیر ہو کر اخوت کے رشتوں کو کمزور کرتی چلی جاتی۔

ابن سبا کی شیطانی سکیم کے ماتحت ہی ایک محاذ سے اکابر مدینہ کے نام خطوط کا ایک تانتا بندھ گیا۔ یہ خطوط سلمانؓ گورنروں کے فرضی مظالم کا پلندہ ہوتے، اور ان سے اکابر مدینہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو گورنروں کے خلاف مناسب اقدام پر زور دیا۔

حضرت عثمانؓ نے حج کے موقع پر گورنروں کا ایک اجلاس صورتِ حالات کا محاسبہ کرنے کے لئے مکہ میں طلب کیا۔ تمام صوبائی گورنر اس اجلاس میں حاضر ہوئے اور جب تحقیقات کی گئی تو سارے الزامات قطعی طور پر جھوٹے اور بے بنیاد ثابت ہوئے۔

کی چمکتی ہوئی تلواریں نظر آتی ہیں۔ زبیرؓ، طلحہؓ اور دیگر جلیل القدر صحابی تک اپنے مکانوں کے دروازے بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ عمروؓ بن عاص ترک سکونت کر کے فلسطین روانہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینے سے باہر احجار الزیت میں قیام پذیر ہو جاتے ہیں۔ الغرض بلوائیوں کا مدینے پر پوری طرح قبضہ ہو جاتا ہے۔ مسجد نبوی میں نمازوں کی امامت بھی بلوائیوں کے سردار غافقی بن حرب خود بخود شروع کر دیتے ہیں۔

اکابر مدینہ کی کوششوں سے بار بار سمجھوتے کی صورت پیدا ہوتی ہے عثمانؓ کا تدبر اور امن پسندی کئی بار معاملہ کو سلجھانے کے قریب ہوتے ہیں لیکن ان کا میر منشی مروان بن الحکم جس کی دریدہ دہنی اور شر انگیزی کی بنا پر آنحضرت صلعم نے اُسے مدینے سے نکال دیا تھا اور صدیقؓ و فاروقؓ کی خلافتوں میں یہ حکم بدستور نافذ رہا تھا، بار بار معاملے کو بگاڑ دیتا ہے۔

مدینے کے لوگ جو امیر المومنین عثمانؓ کی کماحقہٗ عزت کرتے تھے مروان کے معاملہ میں اُن سے کافی برگشتہ خاطر تھے اور جب بلوائیوں نے یہ مطالبہ کیا، کہ مروان کو ان کے حوالے کر دیا جائے، تو اہل مدینہ بھی پوری طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اگر مروان کو اہل مدینہ یا بلوائیوں کے سپرد کر دیا جاتا تو اہل شہر کی دلی ہمدردیاں اور تائید و حمایت حضرت عثمانؓ کو بلوائیوں کے خلاف پوری طرح حاصل ہو جاتی۔

لیکن اسے ملت اسلامیہ کی بد نصیبی سمجھئے کہ حضرت عثمان رضؓ نے مروان کو کسی کے سپرد کرنے اور سزا دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اہل مدینہ برگشتہ خاطر ہو کر خاموش بیٹھ گئے۔ بلوائیوں کے حوصلے پہلے سے کہیں بڑھ گئے اور انہوں

نے محاصرے کو پہلے سے زیادہ شدید کر دیا۔ امام حسن اور امام حسین دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہدایت پر امیر المؤمنین کے مکان کے دروازے پر پہنچ کر پہرہ دینے لگے۔ طلحہ اور زبیر کے صاحبزادے بھی تلواریں لے کر پہنچ گئے۔ اکثر صوبوں میں اس محاصرے کی خبریں پہنچ چکی تھیں، اور خطرہ تھا کہ وہاں کے گورنر امیر المؤمنین کی حمایت میں اپنی فوجیں لے کر پہنچ جائیں۔ اس لئے بلوائیوں نے مناسب سمجھا کہ اپنے مقصد کو جلد از جلد حاصل کر لیا جائے۔

محاصرہ کم و بیش چالیس روز سے جاری تھا کہ ایک روز ملحقہ مکان کی دیوار پھاند کر بلوائی اُن کے مکان میں داخل ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے۔ لیکن بلوائیوں نے اندر داخل ہو کر ہر قسم کا ادب و احترام بالائے طاق رکھ دیا۔ قوم کے امیر المؤمنین سے اُن کا طرزِ خطاب اس قدر گستاخانہ اور ناقابل برداشت تھا، کہ اُن کے روکنے کے باوجود حضرت مغیرہ بن الاخنس بلوائیوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت ابوہریرہ بھی آگے بڑھے لیکن خلیفہ السلمین عثمانؓ نے انہیں قسمیں دے دے کر بلوائیوں کے مقابلے سے روکا۔

اس عرصے میں بلوائیوں کی کافی تعداد مکان میں داخل ہو چکی تھی۔ محمد بن ابی بکر نے سب سے پہلے جرأت کی اور قوم کے بزرگ سردار کی ریش مبارک کو پکڑ لیا۔ لیکن جب عثمانؓ نے فرمایا کہ "برخوردار! اگر تیرا باپ زندہ ہوتا، تو اس داڑھی کو پکڑنے کی جرأت نہ کرتا، بلکہ قدر کرتا!" محمد بن ابی بکر ان الفاظ پر شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ کنانہ بن بشیر نے آگے بڑھ

جس نے موت کو اپنے دروازے پر دستک دیتے دیکھ کر بھی ابن عباس رضؓ کو امیر الحاج بنا کر مکے روانہ کر دیا۔ جس نے اپنے گھر کے نوکروں تک کو بلوائیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ جس کی پسلیاں ظالم عمیر کی ٹھوکروں سے ٹوٹ ٹوٹ گئیں۔ جس نے تلاوت کلام پاک کے دوران میں بدبخت عمرو بن حمق کے نیزے کے نو وار صبر و استقلال سے برداشت کئے۔ بے حیا سودان بن کنانہ کی تلوار جس پر دو دفعہ بجلی بن کر کوندی۔

جام شہادت نوش کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کے بوڑھے سردار کے چہرے پر وہ سکون تھا، جو سقراط کو زہر کا پیالہ لبوں سے لگاتے وقت بھی نصیب نہ ہو سکا۔ عثمان رضؓ ظاہری طور پر دردناک لیکن روحانی لحاظ سے ایک خاموش اور پُر سکون موت کو لبیک کہہ کر دُنیا سے رخصت ہو گئے لیکن انتقام کی ایک ایسی آگ پیچھے چھوڑ گئے، جو بلندیوں اور پستیوں، صحراؤں اور دریاؤں کے کناروں پر خرمنِ اخوت کو پامال کرتی رہی۔

ابن سبا پر خدا اور اس کے فرشتوں کی ہزار در ہزار لعنت ہو، جو مسلمانوں کی قومی زندگی میں فتنہ و شر کا ایک شعلہ جوالہ بن کر نمودار ہوا اور تیرہ سو برس کا طویل زمانہ بھی اس کی لگائی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکا۔

حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت مسلمانوں کی قومی زندگی میں ایک انقلاب کا آغاز تھا۔ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی تقسیم اور ایران و روما کی بے حساب دولت سے بھرپور بیت المال ایسی چیزیں نہ تھیں، جو مسلمانوں کو متاثر کئے بغیر رہتیں۔ خلافت فاروقی کا خوف و وقار مسلمانوں کے

عیش پرست بننے میں مانع رہا۔ فاروقِ اعظم کے کرتے میں لگے ہوئے لاتعداد پیوند اور اُن کے ہاتھوں میں دُرہ دیکھ کر مسلمانوں کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ مالِ غنیمت کے استعمال میں اہلِ عجم کی طرح عیّاش ہو جائیں۔ لیکن عہدِ عثمانی میں اُن کا یہ رنگ یکایک بدلا۔ نمکین روٹی اور خشک کھجوروں کی جگہ ان کے دسترخوانوں پر پُرتکلف اور شاہی کھانوں کی رونق نظر آنے لگی۔ سادہ اور پیوند زدہ کُرتوں کی بجائے ریشمیں عبائیں اُن کے جسموں کی زینت بڑھانے لگیں۔ زندگی کے ہر شعبے پر تکلّفات کے دلفریب رنگ چھا گئے۔ مدینے کی جھونپڑیاں عالیشان محلّات میں تبدیل ہو گئیں اور اس کے بازاروں میں مدائن اور انطاکیہ کا عکس نظر آنے لگا۔ سپاہیانہ اور مجاہدانہ زندگی پر تن آسانی کا سرور مسلّط ہونے لگا۔ قبائلی امتیازات کا فتنہ جسے اسلام نے گہری قبر میں دفن کر دیا تھا، از سرِ نو سر اٹھانے لگا۔ پہلی دو خلافتوں میں انصار اور مہاجرین کی حیثیت پوری قوم میں ایک شاہی خاندان کی طرح تھی۔ لیکن عہدِ عثمانی میں اُن کا وہ بے مثال احترام دلوں سے رخصت ہونے لگا۔ اس سے قبل کسی بڑے سے بڑے عرب سردار کو انصار و مہاجر کی ہمسری کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کی جمعیت کو ممالکِ محروسہ میں اس حد تک منتشر کر دیا گیا۔ کہ اُن کی مرکزی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی۔ قبائلی عصبیّت نے دَورِ جاہلیت کا فروغ از سرِ نو حاصل کر لیا اور بالآخر شہرت پسند لیکن آرام پسند اور غیر مخلص عناصر کو آگے آنے کے مواقع حاصل ہو گئے۔
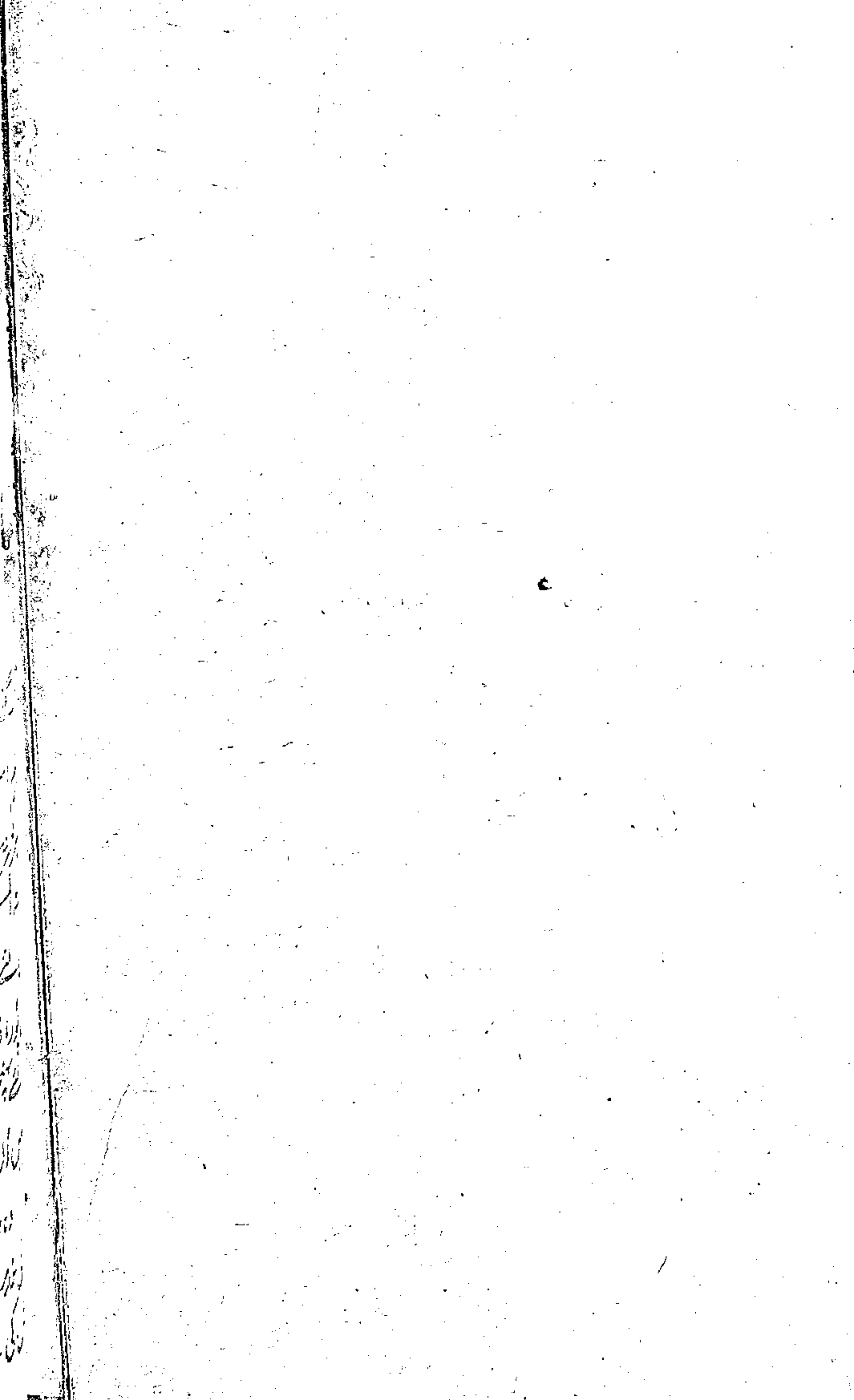
لافتِ علوی کا آغاز

امیرالمؤمنین عثمانؓ کی شہادت پر بلوائیوں کو جانوں کے لالے
ڑ گئے۔ انہیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ امیرالمؤمنین کی جگر پاش شہادت پر
الم اسلام خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اسلامی صوبوں کے گورنر اور بنی اُمیہ کا
ر فرد بے گناہ عثمانؓ کے جوشِ انتقام سے شمشیر بکف میدان میں اُتر آئیں گے
امتہ المسلمین بھی اس حادثۂ عظیم پر حامیانِ عثمانؓ کا پورا ساتھ دیں گے
س لئے اُنہوں نے اپنے بچاؤ کی واحد صورت یہی پائی، کہ ہنگامی صورت
ے پورا فائدہ اُٹھائیں، اور بیشتر اس کے کہ باہر سے فوجیں ان کی سرکوبی
ے لئے پہنچیں، وہ نئے خلیفہ کا انتخاب عمل میں لے آئیں۔ تاکہ خلافت کی
پناہ میں اُن کی جانیں محفوظ ہو جائیں ۔

وہ وفد کی صورت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت زبیرؓ اور حضرت
طلحہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک کو مسندِ خلافت پر فائز ہونے کی
پیشکش کی۔ لیکن جب کسی نے اِس منصب کو قبول کرنے کی حامی نہ بھری

ہوتا ہے، کہ دورِ عثمانی کے تمام گورنروں اور ممتاز عہدیداروں کی بیک وقت معزولی کا فرمان صادر ہوتا ہے۔ شہادتِ عثمانؓ کے فوراً بعد ان گورنروں کی معزولی جو عام طور پر بنو اُمیہ سے تعلق رکھتے تھے، خلافتِ علوی کے خلاف ان کی مخالفت کو شدید تر کر دیتی ہے۔ ممتاز صحابہ کرام کی بلوائیوں کے ہاتھوں دن رات توہین اُن کی بڑھتی ہوئی گستاخیاں اور پھر دربارِ علوی میں ان کا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالفین کو اُن کی خلافت کے خلاف پروپیگنڈے کا پورا موقع دے دیتا ہے۔ مدینے میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں کہ حضرت علیؓ بلوائیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ دربارِ خلافت انتقامانہ جذبات اور قبائلی عصبیت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ فتنہ پرداز بلوائیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی بجائے رسولِ خدا کے ممتاز صحابیوں کی نظر بندی اور یہودی عبداللہ ابن سبا کے پیروؤں کی بڑھتی ہوئی گستاخیاں فضا کو بنو اُمیہ کے حق میں سازگار بنا دیتی ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور ابن عباسؓ جو امیر المؤمنین کے انتہائی بہی خواہ اور صاحبِ تدبیر اکابر میں سے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ صوبائی گورنروں کی معزولی میں اس قدر عجلت سے کام نہ لیا جائے اور فی الحال مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر تجدیدِ بیعت کو کافی سمجھا جائے، مزید برآں حضرت زبیرؓ و طلحہؓ وغیرہم کے خلاف پابندیاں اُٹھا دی جائیں۔ ان مشوروں کو شرفِ پذیرائی حاصل نہیں ہوتا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ مایوس ہو کر عازمِ مکہ ہو جاتے ہیں۔

نئے گورنروں کا تقرر ہوتا ہے اور جب وہ چارج لینے کے لئے متعلقہ
صوبوں میں پہنچتے ہیں، تو بعض کو ناکام واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ سہیل بن حنیف
شام سے ناکام آتے ہیں۔ امیر معاویہؓ کو دوبارہ ایک خط لکھا جاتا ہے لیکن
کئی ماہ کے انتظار کے بعد جب ان کے سربمہر لفافہ کو کھولا جاتا ہے، تو اندر
سے کوئی خط نہیں نکلتا۔ ساتھ ہی امیر معاویہؓ کی تیاریوں کی اطلاع ملتی ہے۔
کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہ لیا تو وہ براہ
راست بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔ ان حالات کی موجودگی میں
حضرت علیؓ بھی شام پر چڑھائی کا اعلان کر دیتے ہیں اور تیاری شروع ہو
جاتی ہے۔

جنگ کی تیاریاں

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو مکہ میں امیر المومنین عثمان رض کی
دلخراش شہادت اور بلوائیوں کی گستاخانہ اور فتنہ انگیز کارگزاریوں کی اطلاع
ملتی ہے۔ وہ خون عثمانؓ کا انتقام لینے کے لئے جنگی تیاریاں شروع کر دیتی
ہیں۔ حضرت عثمان رض کہتی ہیں ان کی زوجہ محترمہ نائلہ کی انگلیاں
کٹ چکی ہیں۔ اور آخر میں جب وہ کہتی ہیں کہ عثمانؓ کی ایک انگلی
بلوائیوں جیسے تمام جہان سے افضل ہے" تو بلوائیوں کے خلاف جوش انتقام
کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ مکہ کا گورنر عبداللہ بن عامر حضرمی سے

سے پہلے کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی خدمات حضرت عائشہؓ کے سپرد کر دیتا ہے۔ مدینے سے زبیرؓ اور طلحہؓ پہنچتے ہیں، اور ان جلیل القدر اور نامور صحابیوں کی شمولیت سے حضرت عائشہؓ کے لشکر کا وقار کافی بڑھ جاتا ہے۔

یہ لشکر مکے سے بصرے کا رُخ کرتا ہے۔ بصرے کا نیا گورنر عثمان بن حنیف مقابلے کے لئے نکلتا ہے۔ بلوائیوں کا فتنہ پرداز سردار حکیم بن جبلہ گورنر بصرہ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کرتا ہے عثمان بن حنیف کی فوج کو شکست ہوتی ہے۔ حکیم بن جبلہ مارا جاتا ہے اور عثمان بن حنیف گرفتار ہو کر زبیرؓ و طلحہؓ کے سامنے پیش ہوتا ہے لیکن رہا کر دیا جاتا ہے۔

مدینے میں یہ خبریں پہنچتی ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنا لشکر لے کر بصرے کا رُخ کرتے ہیں۔ محمد بن ابی بکر، مالک اشتر، عمار بن یاسر، اور حسنؓ بن علیؓ کو کوفے سے امداد حاصل کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اور حاکم کوفہ ابوموسیٰ اشعری کی مخالفت کے باوجود وہ کوفے سے نو ہزار کا لشکر جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اس دوران میں حضرت قعقاعؓ فریقین میں مصالحت کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ حضرت عائشہؓ صدیقہ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور ان کی مخلصانہ مساعی اور حسن تدبر مصالحت کی فضا سازگار بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں حضرت علیؓ فوج کو خطاب کرتے ہیں کہ اب ہمارا کوچ بصرے کی طرف ہو گا۔ لڑائی کے لئے نہیں بلکہ صلح و سلام کی خاطر!

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بلوائیوں کے سردار عبداللہ ابن سبا اپنے ڈیڑھ ہزار رفقاء اور پیروکاروں سمیت حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھے فریقین میں مصالحت کی یہ خوشگوار صورت دیکھ کر ان کے سامنے یہ خطرہ نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس مصالحت کے بعد قاتلینِ عثمانؓ سے لازماً قصاص لیا جائے گا اور اس صورت میں سارے بلوائی کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔ چنانچہ عبداللہ ابن سبا اپنے گروہ کے نمائندوں کا اجلاسِ خصوصی طلب کرتا ہے۔ اس مجلس میں عبداللہ ابن سبا، مالک بن اشتر، سالم بن ثعلبہ اور دیگر لوگ شامل ہوتے ہیں، اور بڑے غور و فکر کے بعد فیصلہ ہوتا ہے کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب پہنچیں، تو ان کے باہمی ٹکراؤ کے لئے مناسب حربہ بروئے کار لایا جائے۔

جنگِ جمل

عالمِ اسلام کی تاریخ میں بدنصیبی کا پہلا آفتاب طلوع ہوا ہے بصرے کے قریب قصرِ عبید کے وسیع میدان میں دینِ خدا کے علمبردار ایک دوسرے کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ وہ چمکتی ہوئی تلواریں جنہوں نے بدر و حنین کے میدانوں میں کفار کے لشکروں کے دھوئیں اُڑا دیئے تھے، اور وہ سرفروش جو اجنادین یرموک اور قادسیہ کے معرکوں میں لاکھوں رومیوں اور ایرانیوں کو گاجر مولی

کی طرح کاٹتے رہے۔ اب اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ اخوت کے مقدس رشتے کو کاٹ کر پھینک دیں۔ جس ملت کے افراد کا خون سرورِ کائنات نے آخری حج میں ایک دوسرے پر حرام کر دیا تھا، وہ پہلی دفعہ اس خون کے دریا بہانے نکلے ہیں۔

آہ! ایک طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابنِ عباسؓ جیسے مقدس انسانؓ اور دوسری جانب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور زبیرؓ و طلحہؓ جیسی برگزیدہ شخصیتیں ہیں۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں ابن سبا کے راز دان، امیر المومنین عثمانؓ غنی کے قاتل نظر آرہے ہیں، اور عائشہ صدیقہؓ کی فوج میں مروان بن الحکم جیسا بد طینت اور شرارت پسند انسان دکھائی دے رہا ہے۔ حضرت قعقاعؓ کی کوششوں سے مصالحت کی کرن نمودار ہوئی، اور فریقین کے سردار گفتگوئے مصالحت میں مصروف رہے۔ تیسرے روز یہ گفتگو کامیابی کے آخری مرحلوں پر پہنچ گئی۔ اگلی صبح کو تحریری معاہدہ کے بعد دونوں لشکروں نے صلح وسلام کے ترانے گاتے ہوئے رخصت ہونا تھا۔ لیکن خدا اور اس کے فرشتوں کی ہزار در ہزار لعنت ہو ابن سبا اور اس کے ساتھیوں پر جنہوں نے ساری رات دونوں لشکروں کے ٹکراؤ کی سازش تیار کی اور سپیدۂ سحر کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ زبیرؓ اور طلحہؓ گھبرا کر بیدار ہوئے اور دیکھتے ہی پکار اُٹھے کہ "افسوس علیؓ کشت وخون کئے بغیر نہیں رہیں گے"۔

دوسری طرف جب اس اچانک حملہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے خیمے سے باہر آئے، تو ابن سبا کے آدمیوں نے جو اسی غرض سے باہر متعین تھے،

اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ کہ زبیرؓ اور طلحہؓ نے حملہ کر دیا۔ حضرت علی کرم نے غصّے میں آ کر فرمایا۔ کہ "افسوس زبیرؓ اور طلحہؓ لڑائی پر تلے بیٹھے ہیں" دونوں فوجیں غم و غصّہ کے طوفان میں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں اور سرفروشان اسلام کی تلواریں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگیں۔

زبیرؓ اور طلحہؓ دونوں بزرگوں نے لڑائی میں حصّہ نہ لینے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔ طلحہؓ بصرے کی طرف روانہ ہوئے اور جب مروان لعین نے انہیں میدان جنگ سے نکلتے دیکھا تو بدبخت نے انہیں زہر آلود تیر کا نشانہ بنایا۔ طلحہؓ کا پاؤں بری طرح زخمی ہوا اور وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت زبیرؓ کو میدان سے نکلتے دیکھ کر عمار بن یاسر نے جو حضرت علیؓ کی فوج میں لڑ رہے تھے انہیں للکارا۔ زبیرؓ نے انہیں بہت روکا لیکن وہ لپکے وار کرتے چلے گئے۔ زبیرؓ نے ان کا ہر وار روکا اور جب عمار تھک گئے تو زبیرؓ آگے بڑھے۔ اور جب وہ وادی السباع میں نماز پڑھنے لگے تو ابن جرموز کے ایک بدبخت عمرو بن الجرموز نے بحالت نماز ان پر تلوار کا وار کیا، اور انہیں شہید کر دیا۔ حضرت زبیرؓ کا قاتل جب حضرت علی کرم کے سامنے پیش ہوا اور انہوں نے اس کے ہاتھ میں زبیرؓ کی تلوار دیکھی تو آنسو نکل پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ "بدبخت! تجھے دوزخ کی بشارت ہو۔ یہی وہ تلوار ہے جس نے سالہا سال تک رسولِ خدا کی حفاظت کی!"

عمرو بن جرموز پر اس فقرے کا اتنا اثر ہوا۔ کہ وہیں تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ کر واصل جہنم ہو گیا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس خیال سے ناقہ پر سوار ہو کر میدان میں نکلیں کہ شاید انہیں دیکھ کر جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ جائیں قتل و خون کا سیلاب رُکے۔ لیکن انہیں میدان میں دیکھ کر لڑائی اور زیادہ شدت اختیار کر گئی۔ ابنِ سبا کے بلوائیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانبازی سے متاثر کرنے کے لئے ناقہ پر تیروں کا مینہ برسا دیا اور دوسری طرف ناقہ کی حفاظت میں ہزاروں مسلمان پروانوں کی طرح نثار ہونے لگے۔ آخر ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اشارے پر آگے بڑھ کر ناقہ کی کونچ کاٹ ڈالی۔ ناقہ کے گرتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج نے پسپائی اختیار کی۔ محمد بن ابی بکر نے بحفاظت تمام اپنی بہن کو الگ کیا۔ ان کے کجاوے پر چادر ڈالی۔ اتنے میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے۔ سلام و دعا کے بعد اُم المومنین نے فرمایا "اے کاش کہ میں آج سے بیس برس پہلے مر جاتی"۔ یہی الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے بھی نکلے۔

مسلمانوں کی اس باہمی جنگ میں دونوں طرف سے دس ہزار سے زیادہ مسلمان جاں بحق ہوئے۔ جنگ کے خاتمے پر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بصرے میں مقیم ہوئیں۔ حضرت علی کرم بھی شہر میں داخل ہوئے اُم المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باہمی افہام و تفہیم کے بعد تمام غلط فہمیاں رفع ہو گئیں۔ چند روزہ قیام کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ عازم مکہ ہوئیں۔ حضرت علی رضؓ نے عبداللہ بن عباس کو بصرے کا گورنر مقرر کیا۔ اور کوفے کو دار الحکومت قرار دے کر امیر معاویہؓ کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگِ صفین

خدائے اسلام کے پرستاروں کی بدنصیبی کا دور ابھی ختم نہیں ہوا۔ جنگِ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون بھی انہیں دوسرے ٹکراؤ سے نہ روک سکا۔ نوّے ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے کوفہ سے روانہ ہوتے ہیں۔ یہ ذی الحجہ ۳۶ھ کے آخری ایام ہیں۔ ان کی فوجیں مدائن سے ہوتی ہوئی دریائے فرات کو عبور کرتی ہیں، اور آگے بڑھ کر حدودِ شام میں داخل ہو جاتی ہیں۔ ابولاعور السلمی کی قیادت میں امیر معاویہؓ کی فوج کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھتا ہے، اور حضرت علیؓ کے ہراول دستوں سے جن کی کمان مالک اشتر کے ہاتھ میں ہے ٹکرا جاتا ہے۔ یہ ٹکراؤ جاری ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اپنی اسّی ہزار فوج لے کر صفین کے میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ دوسری طرف سے حضرت علیؓ کا لشکر بھی پہنچ جاتا ہے۔ امیر معاویہؓ کے دستے دریائے فرات کے پانی پر قابض ہو جاتے ہیں لیکن حضرت علیؓ کی اپیل پر امیر معاویہؓ پانی سے قبضہ اٹھا لیتے ہیں +

دو دن تک گفتگوئے مصالحت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حضرت علیؓ کا وفد امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی غیر مشروط بیعت کی دعوت دیتا ہے لیکن امیر معاویہؓ حضرت علیؓ پر یہ الزام عاید کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ساتھ دیا۔ انہیں پناہ دی، اور جب تک وہ قاتلینِ عثمانؓ کو ان کے سپرد کر کے خلافت سے دستبردار نہ ہو جائیں، صلح نہیں

ہو سکتی۔ خلیفہ کا از سر نو انتخاب بعد میں کیا جائے۔

شبث بن ربعی بول اٹھتا ہے کہ "معاویہؓ! کیا تو خونِ عثمانؓ کے بدلے میں عمار بن یاسر کو قتل کرے گا؟"

امیر معاویہؓ جواباً فرماتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ کیا، میں ان کے غلام کے خون کے بدلے میں بھی عمار کو قتل کرنے سے فرق نہیں کروں گا!"

شبث انتہائی تند الفاظ میں کہتا ہے کہ "تو عمار کے قتل پر اس وقت تک قادر نہیں ہو سکتا جب تک کہ زمین تجھ پر تنگ نہیں ہو جاتی۔"

امیر معاویہؓ جواباً گرم ہو کر کہتے ہیں، کہ "جب تک قاتلین عثمانؓ پر خدا کی زمین تنگ نہیں ہو جاتی، معاویہؓ بھی اپنے مطالبہ سے نہیں رکے گا!"

امیر معاویہؓ کا وفد جب حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا تو حبیب بن مسلمہ نے حضرت علیؓ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کہ "اگر آپ عثمانؓ کے قتل میں حصہ دار نہیں، تو پھر قاتلوں کو ہمارے سپرد کر دیجئے۔"

حضرت علیؓ اپنی جوابی تقریر میں کہتے ہیں کہ "عثمانؓ کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ لوگ ان سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔"

شرجیل بن السمط حضرت علیؓ سے سوال کرتے ہیں کہ "کیا آپ کے نزدیک حضرت عثمانؓ مظلوم شہید نہیں ہوئے؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "میں نہ عثمانؓ کو مظلوم سمجھتا ہوں نہ ظالم"

امیر معاویہ کا وفد یہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ "جو شخص عثمانؓ کو مظلوم نہیں کہتا ہم اس سے بیزار ہیں!"

گفتگو سے مصالحت ٹوٹ گئی۔ اور ماہِ محرم کے اجلال و احترام میں ایک ماہ کی خاموشی کے بعد ماہِ صفر ۳۷ھ کے آغاز کے ساتھ ہی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ حضرت علیؓ کی فوج کی کمان مالک اشتر، عمار بن یاسر، سہیل بن حنیف، ہاشم بن عتبہ اور قیس بن سعد کے ہاتھوں میں تھی۔ اور دوسری طرف عمرو بن عاص، ذوالکلاع حمیری، ابوالاعور السلمی، حبیب بن مسلمہ، مسلم بن عقبہ اور عبدالرحمٰن بن خالد امیر معاویہ کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے۔

سات دن تک میدانِ جنگ میں کوئی خاص جوش و خروش نظر نہ آیا۔ فریقین اپنے مسلمان بھائیوں کو تہِ تیغ کرنے کے لئے تیار نہ تھے لیکن آٹھویں روز امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ بذاتِ خود میدان میں نکلے انہوں نے فوجوں کی قیادت سنبھالی اور اپنی اپنی فوج کو گرمایا۔

یہ خوفناک جنگ مسلسل تیس گھنٹے جاری رہی۔ رات کی تاریکی بھی لڑائی کے زور شور کو کم نہ کر سکی۔ ستّر ہزار سے زیادہ فوج دونوں طرف سے کٹ گئی۔ امیر معاویہؓ کی طرف سے ذوالکلاع حمیری اور عبیداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ کی جانب سے عمار بن یاسر اس ٹکراؤ میں کام آئے۔ بارہا حضرت علیؓ کی فوج نے امیر معاویہؓ کے لشکر کو پسپا کیا اور کئی بار فتح امیر معاویہؓ کے قدم چومتی نظر آئی۔ بالآخر مالک اشتر نے فوج کی ایک بہت بڑی تعداد سے امیر معاویہ کے لشکر پر برابر سے زوردار حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ امیر معاویہؓ کے سپاہیوں میں شکست کے آثار پیدا ہو گئے یہ موقع بڑا نازک تھا۔ لیکن عمرو بن عاص کی انگشت تدبیر اس موقع پر

بھی کامیاب رہی۔ ان کے مشورے پر امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کرو اور "ھٰذَا کِتَابُ اللّٰہِ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ" کے نعرے بلند کرو۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ نتیجہ پیدا ہوا۔ قرآن پاک کو نیزوں پر بلند دیکھ کر ہنگامہ کارزار صلح و سکوت کا رنگ اختیار کرنے لگا۔ عبداللہ ابن عباس، مالک اشتر اور حضرت علیؓ کی انتہائی کوشش کے باوجود ان کے بہادروں کی تلواریں میانوں میں چلی گئیں، اور جہاں چند لمحے قبل موت کے تہلکہ انگیز ہنگاموں کا شور تھا وہاں پُرامن سکوت طاری تھا ؟

خاتمۂ جنگ کے بعد گفتگوئے مصالحت کا آغاز ہوا۔ اور اس کے نتیجے میں امیر معاویہؓ کی طرف سے عمروؓ بن عاص اور حضرت علیؓ کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری حکم مقرر ہوئے۔ اور ان سے یہ حلف لے لیا گیا کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اپنا فیصلہ صادر کریں گے۔ حکمین کو فیصلے پر پہنچنے کے لئے چھ ماہ کی مہلت دے دی گئی ؟

مقامِ اذرح کی مجلسِ فیصلہ

۱۳ صفر ۳۷ھ کو اقرار نامے پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ اس کی ایک ایک نقل ہر دو حکمین ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کے سپرد کر دی گئی۔ فریقین کے لشکروں نے اسی روز اپنے اپنے مراکز کی جانب کوچ کر دیا۔ کوفہ پہنچنے پر عبداللہ بن سبا کے گروہ نے حضرت

کی مخالفت شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے امام اور سپہ سالار الگ مقرر کر لئے۔ عبداللہ ابن عباسؓ کی معرفت حضرت علیؓ نے انہیں رام کرنے کی کوشش کی۔ ان کے ایک سردار یزید بن قیس کو اصفہان کی گورنری پر متعین کیا اور بڑی مشکل کے بعد اختلاف ختم ہوا۔

چھ ماہ کی مدت گزرنے پر شریح بن ہانی کی قیادت میں حضرت علیؓ نے چار سو آدمیوں کا ایک دستہ مقام اذرح کی طرف روانہ کیا۔ دمشق سے عمرو بن عاص بھی اتنی ہی تعداد لے کر مقام مذکور پر پہنچ گئے۔ معززین مکہ و مدینہ کو بھی اس اہم مجلس میں شرکت کی دعوت خاص دی گئی چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ کی موجودگی میں ایک خاص اجلاس فیصلے کے اعلان سے قبل ہوا جس میں ہر دو حکمین ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص نے تقریریں کیں۔ ابوموسیٰ اشعری نے سب سے پہلے اس امر کا اقرار کیا، کہ حضرت عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے، اور امیر معاویہؓ کو ان کا ہم جد ہونے کی حیثیت سے ان کے خون کا مدعی ہونے کا پورا حق ہے۔ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علیؓ کو خلافت کا جائز حقدار قرار دیا، اور عمرو بن عاص اس منصب کے لئے امیر معاویہؓ کی وکالت کرتے رہے۔ طویل بحث کے بعد ابوموسیٰ نے کہا کہ میری رائے میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ نے فوراً اعلان کر دیا کہ وہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آخری فیصلہ یہی ہوا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو معزول

کردیا جائے اور اتفاق رائے سے نیا خلیفہ منتخب کرلیا جائے۔ چنانچہ مجمع عام کا اعلان ہوا اور جب کافی تعداد جمع ہوگئی، تو ابوموسیٰ اشعری منبر پر تشریف لائے اور اعلان کیا کہ ہم اتفاق رائے سے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو خلافت کے حق سے معزول کرتے ہیں۔ ابوموسیٰ کے فوراً بعد عمرو بن عاص منبر پر چڑھے اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ "آپ سب نے ابوموسیٰ کا فیصلہ سُن لیا، وہ اپنے دوست علیؓ کو معزول کرنے کا اعلان کرچکے ہیں میں بھی علیؓ کی معزولی کے متعلق ان سے اتفاق کرتا ہوں اور امیر معاویہؓ کو خلافت کا مستحق قرار دیتا ہوں۔ کیونکہ وہ عثمانؓ شہید کے ولی اور ان کے بعد خلافت کے حقدار ہیں"!

عمرو بن عاص کے اس اعلان کے ساتھ ہی مجلس میں ایک شور برپا ہوگیا۔ ابوموسیٰ پکار اُٹھے کہ "عمرو بن عاص نے فریب کھیلا"۔ شریح بن ہانی اور عمرو بن عاص کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں اور اس شدید بدنظمی کے بعد سب لوگ مایوسی کے عالم میں اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے اس فیصلے کو قرآن و سنت کے خلاف قرار دیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کا باقاعدہ اعلان کردیا۔ اہل شام نے ان کے ہاتھوں پر جوش و خروش سے بیعت کی۔ اور اس دن سے امیر معاویہؓ کو امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین کے الفاظ سے پکارا جانے لگا۔

حضرت علیؓ اور خوارج کا ٹکراؤ

مقام اذرح کے ناکام اجلاس کے بعد سبائیوں نے پھر حضرت علیؓ سے بغاوت اختیار کی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر اب تک یہ لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔ صوبوں کے گورنر مقرر ہوئے۔ سفارتوں میں نمائندگی اور جمل اور صفین کی لڑائیوں میں ان کی فوج کی قیادت کرتے رہے، اور اب انہوں نے علی الاعلان یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ کہ لڑائی بند کر کے اور پنچایت کو تسلیم کر کے حضرت علیؓ نے غلطی کی ہے اور جب تک وہ اپنی غلطی کا اقرار اور توبہ نہیں کرتے ہم ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔

حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو سمجھانے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ حضرت علیؓ جب خطبے کے لئے کھڑے ہوتے تو مسجد کے مختلف گوشوں سے یہ لوگ لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ کی آوازیں بلند کرتے۔ بڑھتے چڑھتے گستاخیاں کرتے اور آخر ایک دن مختلف گروہوں میں مدائن کی طرف چل پڑے۔ مدائن کے گورنر سعد بن مسعود فوج لے کر ان کی طرف بڑھے۔ لیکن رات کی تاریکی میں انہوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا۔ اور نہروان کے مقام پر پہنچ کر اپنی جمعیت کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ بصرے کے خوارج بھی یہاں آ کر ان سے مل گئے اور اس طرح یہاں ان کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔

حضرت علیؓ نے ان لوگوں کی فتنہ پردازیوں سے چشم پوشی اختیار

کر کے شام پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن اسی دوران میں اطلاع پہنچی کہ خوارج نے حضرت عبداللہؓ بن خباب کو اہل وعیال سمیت جبکہ وہ نہروان سے گزر رہے تھے شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ نے خوارج سے مطالبہ کیا کہ حضرت عبداللہ اور اُن کے اہل وعیال کے قاتلوں کو اُن کے سپرد کر دیا جائے لیکن خوارج نے اس مطالبہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ انہیں سمجھانے کے لئے کئی بزرگ صحابیوں کو بھیجا گیا اور آخر حضرت علیؓ خود بھی انہیں راہِ راست پر لانے کے لئے پہنچے۔ لیکن خارجیوں نے اُن کی ہر بات سننے سے انکار کر دیا۔

مجبوراً حضرت علیؓ کو ان لوگوں کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑا لڑائی شروع کرنے سے قبل اعلان فرمایا کہ خوارج میں سے جو لوگ میدانِ جنگ سے چلے جائیں گے، انہیں ہر طرح امان ہوگی۔ اس اعلان کے بعد خوارج میں سے بہت بڑی تعداد رخصت ہوگئی۔ کچھ حضرت علیؓ سے آملے، اور باقی تعداد پر حضرت علیؓ نے ایک زوردار حملہ کر کے سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ بہت تھوڑی تعداد جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئی۔ یہ لوگ کچھ عرصہ فارس کی شورشوں میں حصہ دار بنے رہے، اور وہاں سے ناکام ہو کر عراق و حجاز کے شہروں میں چلے آئے۔

سلطنتِ معاویہؓ کی توسیع

امیرِ معاویہؓ ایک دُور اندیش اور صاحبِ تدبیر حاکم اور تجربہ کار سیاستدان تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں اُنھوں نے صورتِ حالات کا پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا۔ مقامِ اذرح کے اجلاس کے بعد مملکتِ شام میں اُنہیں امیر المومنین کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ ان کے پاس ایک مضبوط اور منظم فوج تھی۔ مُلک کا نظامِ حکومت انتہائی خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ جنگ صفّین کے بعد حضرت علیؓ کو اہلِ فارس کی شورشوں اور خوارج کی بغاوتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ انتہائی کوششوں کے باوجود انہیں شام پر چڑھائی کا فیصلہ منسوخ کرنا پڑا۔ اور وہ داخلی شورشوں میں بُری طرح اُلجھ گئے۔

امیر معاویہ کی دُور اندیشی اور حُسنِ تدبیر نے اس سُنہری موقع کا پُورا فائدہ اُٹھایا۔ اُنھوں نے صاحبِ اثر شخصیتوں پر لُطف و کرم کی بارشیں شروع کر دیں اور خزانوں کے مُنہ کھول دیئے۔ عالمِ اسلام کا دل و دماغ دمشق کی طرف کھنچا چلا آیا۔ اور زمانے بھر کی نگاہیں دربارِ معاویہؓ پر مرکوز ہونے لگیں۔ عالمِ اسلام کو پُوری طرح متاثر کر کے امیر معاویہؓ نے اپنی سلطنت کی توسیع کا پروگرام تیار کر لیا۔ مُدّت سے اُن کی للچائی ہوئی نگاہیں مصر پر پڑ رہی تھیں۔ چنانچہ ۳۸ھ میں ان کا پہلا قدم اُٹھا اور حضرت عمرو بن عاص چھ ہزار سرفروشوں کا ایک لشکر لے کر مصر پر حملہ آور ہو گئے۔

محمد بن ابی بکر اُس وقت حضرت علیؓ کے دربارِ خلافت کی طرف سے
مصر کے گورنر تھے۔ یہ وہی صاحب تھے جنھوں نے بلوائیوں کے ساتھ
امیر المؤمنین عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو کر شہادت سے قبل اُن کی ریش
مبارک پر اُس وقت ہاتھ ڈالا تھا۔ جب کہ اُمتِ محمدیہ کا بزرگ سردار اور
امیر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھا۔ قدرت کا جوشِ انتقام محمد بن
ابی بکر کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ عمرو بن عاص کی شکل میں نمودار ہوا۔ ابن عاص
کو مصر میں داخل ہوتے ہی خواہانِ عثمانؓ اور اُن کے سردار معاویہ بن
خدیج کی حمایت بھی حاصل ہو گئی۔ اہلِ مصر محمد بن ابی بکر کا ساتھ چھوڑ گئے
وہ جگہ بجگہ پناہ گزین ہوا۔ لیکن عمرو بن عاص سے پناہ نہ مل سکی۔ وہ جبلہ
بن شروق کے مکان سے گرفتار ہوا۔ اور قتل کیے جانے کے بعد اُس
لاش مردہ گھوڑے کی کھال میں جلا دی گئی۔ حضرت علیؓ کو جب مصر پر
ابن عاصؓ کے تسلط اور محمد ابن ابی بکر کے دردناک انجام کی خبر پہنچی
سر پیٹ کر رہ گئے۔ اُنہوں نے اہلِ کوفہ کو جمع کیا۔ اور اُنھیں پوری طرح
غیرت دلائی۔ لیکن ان کی تقریریں سُن کر بھی اہلِ کوفہ پر بے حسّی کا عالم
طاری رہا۔

فتحِ مصر سے فارغ ہو کر امیر معاویہؓ نے مختلف علاقوں میں فوجی مہم
روانہ کیں۔ نعمان بن بشیر نے کسی مدافعت کے بغیر عین التمر پر قبضہ کر
بسر بن ارطاہ یمن اور حجاز کی طرف بڑھے۔ اہلِ مکہ و مدینہ کے بعد اہلِ
نے بھی امیر معاویہ کی بیعت اختیار کر لی۔ حاکمِ یمن عبید اللہ ابن عباس

یمن کے دار السلطنت صنعاء سے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ سفیان بن ثور کا لشکر جزائر انبار اور مدائن کے علاقوں پر حملہ آور ہوا اور سرکاری خزانوں اور مال و اسباب کو لوٹتا بے پناہ مال غنیمت کے ساتھ دمشق کو واپس لوٹا۔

اب امیر معاویہؓ کی حکومت مملکت شام کی حدود سے بہت آگے بڑھ کر یمن و حجاز اور مصر و فلسطین تک پھیل چکی تھی۔ یہ وسیع اور زرخیز علاقے پوری طرح ان کے زیر اقتدار آچکے تھے، اور ان علاقوں میں پوری طرح ضبط و نظم قائم ہو گیا تھا۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کی حکومت عراق اور ایران کے علاقوں میں باقی رہ گئی تھی۔ ان کی فوج میں زیادہ تعداد اہل عجم کی تھی۔ اور پھر امیر معاویہؓ سے ان کے اختلاف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانی آئے دن شورشیں برپا کرتے رہتے تھے، اور ان شورشوں کو فرو کرنے کے لئے حضرت علیؓ کی مصروفیتیں اسقدر بڑھ چکی تھیں کہ انہیں کسی دوسرے معاملہ کی طرف توجہ دینے کا موقع کماحقہٗ حاصل نہ ہوتا تھا۔

خوفناک سازش اور حضرت علیؓ کی شہادت

شام پر از سر نو حملہ آور ہونے کے لئے حضرت علیؓ کی جنگی تیاریاں تکمیل پذیر ہو رہی تھیں۔ اہل کوفہ کی رسمی بے حسی جنگی سرگرمیوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ساٹھ ہزار کا لشکر زندگی کی بازی لگانے کے لئے تیار ہو چکا تھا کہ عین اس وقت ایک خطرناک سازش منظر عام پر آئی جس نے علم و کرم

کے اس آفتاب کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے عالمِ اسلام پر چمک رہا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آغوشِ شہادت میں چھپا دیا۔

ابن سبا کے خوارج کو جنگِ نہروان میں شکست دے کر پوری طرح مٹایا جا چکا تھا، اور ظاہری طور پر اس فتنے کا از سرِ نو ابھرنے کا امکان ختم ہو چکا تھا۔ لیکن قدرت کو شاید یہی منظور تھا کہ حضرت علی ان بدبختوں کے ہاتھ سے شہید ہوں، جن کی ناز برداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی جو جمل اور صفین کی جنگوں میں جانبازی اور سرفروشی کے جوہر دشمنانِ علیؓ کے خلاف دکھاتے رہے تھے۔

جنگِ نہروان کے چند بچے کھچے خوارج جو دو تین سال سے ایران، عراق اور حجاز کے شہروں میں آوارہ گردی کے دن گزار رہے تھے۔ آخر ایک دن مکہ معظمہ کے ایک مکان میں جمع ہوئے، اور اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ زندگی کا ایک انقلاب انگیز کھیل کھیلا جائے اور عالمِ اسلام کے تین بڑے سرداروں (حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، عمروؓ بن عاص) کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیا جائے۔ اس ہلاکت انگیز اور خوفناک سازش کو بروئے کار لانے کا بیڑا عبدالرحمٰن ابن ملجم، برک بن عبداللہ تمیمی، عمرو بن بکر تمیمی نے اُٹھایا اور ۱۶ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ جمعہ کا دن اور نمازِ فجر کا وقت مقرر ہوا۔

مقررہ تاریخ اور وقت پر برک بن عبداللہ تمیمی دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا، اور عین اس وقت جبکہ امیر معاویہؓ نمازِ فجر کی امامت کر رہے تھے ان پر تلوار کا وار کیا۔ وار اوچھا پڑا۔ برک گرفتار کر کے کیفرِ کردار کو پہنچا دیا

گیا۔ اور امیر معاویہؓ کا زخم چند روزہ مرہم پٹی کے بعد مندمل ہو گیا ۔

اسی تاریخ اور ساعت پر عمرو بن بکر مصر کی جامع مسجد میں داخل ہوا عمرو بن عاصؓ اُس روز بوجہ علالت مسجد میں نہ آ سکے اور خارجہ بن ابی حبیبہ تیمہ اُن کی جگہ نماز کی امامت کر رہے تھے۔ عمرو بن بکر کی تلوار کے وار سے جاں بحق ہو گئے ۔

عبدالرحمٰن بن ملجم نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قتل کی ذمہ داری لی تھی۔ وہ مکہ سے کوفہ پہنچا اور وہاں پہنچ کر اُن لوگوں سے ملا جن کے ملحقین جنگ نہروان میں خارج کی حیثیت سے لڑتے ہوئے حضرت علیؓ کی فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ ابن ملجم نے سب سے پہلے اپنے دوست شبیب بن شجرہ کو اپنا ہمراز اور شریک کار بنایا۔ اور اس کے بعد شہر کی ایک نوجوان وحسین عورت قطام نامی سے ملا۔ اور دیکھتے ہی دل و جاں اُس سے محبت کرنے لگا۔ قطام کا بھائی اور باپ بھی جنگ نہروان میں مارے گئے تھے، اور اس بنا پر اُس کے دل میں حضرت علیؓ کے خلاف انتقام کی آگ پوری طرح بھڑک رہی تھی۔ جونہی اُسے ابن ملجم کے شیطانی ارادے کا علم ہوا، اُس نے اُسے پوری امداد و تعاون کا یقین دلایا اور ساتھ ہی نکاح کے لئے بھی تیار ہو گئی۔ انتقام کا جوش محبت اور شوق کے تقاضوں سے تیز تر ہو گیا۔ وصل کے دلنواز تصور نے پارے کو آخری درجے تک پہنچا دیا۔ اور ابن ملجم اپنے وقت کے مقدس ترین انسان کے مقدس خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ رات کے آخری حصّے

ہیں وہ کوفے کی جامع مسجد میں آیا اور اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لئے دروازے کے قریب چھپ کر بیٹھ گیا۔

اسلام کا وہ شیر ببر جس کی قوت و شجاعت کی دھاک عرب و عجم پر بیٹھی ہوئی تھی، جس کی ذوالفقارِ حیدری کے نام پر شجاعانِ عالم کے دل لرز جاتے تھے سپیدۂ سحر کی نمود سے قبل کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوا، اور صحنِ مسجد میں گہری نیند سونے والوں کو نماز کے لئے بیدار کرتا مسجد میں داخل ہو گیا۔ ابنِ ملجم نے سردارِ قوم کو مسجد کی طرف بڑھتے دیکھا اس کے بازو کانپ رہے تھے، شدید سردی کے باوجود پیشانی پر پسینے کے قطرے تیر رہے تھے۔ وہ موقع کو غنیمت جان کر آگے بڑھا۔ اس کی تلوار فضا میں چمکی اور دوسرے لمحے ——— مسلمانوں کی قومی کشتی کا ناخدا جامع مسجد کے فرش پر اپنے خون میں تڑپ رہا تھا۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ (ربِّ کعبہ کی قسم میں فائز المرام ہوا) کی آواز جامع مسجد کی فضا میں گونجی۔ مسلمان باہر سے محرابِ مسجد کی طرف دوڑے۔ ان کا سردار محراب میں بے طرح زخمی پڑا تھا اس حادثہ کے دو دن بعد مسلمانوں کے خزانۂ ملی کا یہ گوہرِ بے بہا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے ہاتھوں سے چھن گیا۔

حضرت علیؓ اور اُن کا دورِ خلافت

ابو الحسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ خلافت ابتلا و آزمائش

کا ایک طوفانی دور تھا، اور ان کے عہد کا سب سے دردانگیز اور صبر آزما قومی حادثہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی تلواریں پہلی دفعہ آپس میں ٹکرائیں۔ پہلی دفعہ اخوت اور محبت کی نہر سلسبیل کو سرفروشان اسلام نے ایک دوسرے کے خون سے مالا مال کیا۔ جمل اور صفین کے ہنگامہ ہائے قتل و خون میں اسی ہزار سے زیادہ مسلمان اپنی ہی تلواروں سے کٹ مرے۔ یہ تعداد پوری دنیا کی تسخیر کے لئے نہ صرف کافی تھی بلکہ کافی سے کہیں زیادہ اور بڑھ کر ہے۔

حضرت علیؓ علم و فضل اور حکمت کے اعتبار سے اپنے زمانے کی ممتاز ترین اور نادرالوجود شخصیت تھے۔ سخاوت اور شجاعت میں ان کا ثانی نہیں تھا۔ وہ اہل ایمان میں سابقون الاولون اور جنت کے حقداروں میں عشرہ مبشرہ کے ایک رکن تھے۔ خاندانی لحاظ سے بھی ان کا مقام بلند ترین تھا۔ سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا کے خاوند اور حسنینؓ کے والد ہونے کی حیثیت سے وہ رسول خدا صلعم سے خونی رشتہ میں قریب تر تھے۔ ان کی فضیلت اور عظمت سب کے نزدیک مسلمہ تھی۔

ان تمام قابل قدر اور مایۂ ناز امتیازات کے باوجود بطور ایک امیرالمومنین کے وہ اس قدر کامیاب نظر نہیں آتے جس قدر کہ ان کی عظیم شخصیت کا تقاضا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں اس کے باوجود انہیں جمل و صفین کی لڑائیوں میں مسلمانوں کے خون کے دریا بہتے ہوئے دیکھنے پڑے۔ ان کی وہی تلوار جس کی تابانی سے کفر کی دنیا میں لرزہ آجاتا تھا، اپنے ہی بھائیوں کے جواب میں بلند کرنی پڑی، اور

بذاتِ خود انہیں ایک ایسے بدبخت کی تلوار سے جامِ شہادت نوش جان کرنا پڑا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔

ابو الحسن رض کی انتہائی سادگی، بے مثال فقر و فاقہ اور قلندرانہ انداز سے بجا طور پر یہ توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں کہ ان کا عہدِ خلافت دورِ فاروقی کی یاد تازہ کرے گا۔ بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی تھی کہ اسلامی فتوحات کا رُکا ہوا سیلاب ایران و روما سے آگے بڑھ کر بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس کے کناروں سے ٹکر لے گا، اور مسلمان روحانی، اخلاقی اور تعمیری جدوجہد کے منتہائے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

لیکن صد حیف کہ توقعات تشنہ کام رہیں۔ ان امیدوں کو صحرائے نامرادی میں دم توڑنا پڑا۔ امیر المومنین عثمان رض کے خونِ شہادت نے قصاص کی پکار بلند کی۔ قوم کے نئے سردار نے معلوم نہیں کیوں اپنے وقت کے اس اہم ترین قتل کو اہمیت دینا ضروری نہ سمجھا۔ مظلوم عثمان رض کے قاتل مدینے کی گلی کوچوں میں دندناتے پھرے۔ وہ حبِ علی رض کے زریں نقاب اوڑھ کر نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ حضرت علی رض تک کو مبتلائے فریب کرتے رہے۔ جمل اور صفین کی لڑائیوں کا حرفِ آغاز بن کر دادِ شجاعت دینے۔ دشمنِ اسلام عبداللہ بن سبا کی پوری پارٹی شہادتِ عثمان رض سے جنگِ صفین کے اختتام تک حیدرِ کرار کی دوانی بن کر دربارِ خلافت پر چھائی رہی۔ مسلمانوں کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں، اور اُن کے کان سن رہے تھے کہ خونِ عثمان رض کے قصاص کا مطالبہ بے نیازی کا شکار بن رہا تھا

دیکھ رہے تھے کہ عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفتاری کو نظر انداز کر کے دورِ عثمانی کے تمام گورنر اور ممتاز عہدیدار خلافت کے تیسرے ہی روز بیک جنبشِ قلم معزول کئے جا رہے ہیں۔ وہ صاف صاف دیکھ رہے تھے کہ قوم کے بزرگ امیر المومنین کی داڑھی پکڑنے والا اور اُن کی شان میں ناقابلِ برداشت گستاخی کا مظاہرہ کرنے والا محمد بن ابی بکر مصر کا گورنر مقرر کیا جا رہا ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ عثمانؓ شہید کے مکان کا محاصرہ کرنے والے بلوائیوں اور سبائیوں کا خاص الخاص سردار شبث بن ربعی امیر معاویہؓ کے مقابلے میں سفارتِ صلح کا نمائندہ بن کر جاتا ہے، اور اپنی تلخ کلامی سے مصالحت کا آخری امکان ختم کر کے واپس آتا ہے۔ وہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ عثمانؓ کو شہید کرنے والے ظالموں کے سردار جمل اور صفین کی لڑائیوں میں فوجوں کی قیادت کر رہے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ حرقوص بن زہیر، شریح بن اوفی، حمزہ بن سنان، زیاد بن حصین، یزید بن قیس، عبداللہ بن وہب جو بلوائیوں کے سردار اور فتنہ و فساد کے علمبردار تھے، دربارِ خلافت کی روحِ رواں بنے ہوئے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ اشعری جیسے نیکدل اور امن پسند صحابی اور گورنر کو مالک اشتر کوفہ کی مجلس میں گالیاں دینے پر اُتر آتا ہے اور دربارِ خلافت میں اُس کا وقار پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔

سبائیوں کا سردار یزید بن قیس گورنرِ اصفہان مقرر کیا جاتا ہے اور مُنہ پھٹ شریح بن اوفی مقام اذرح کی اہم ترین کانفرنس میں اس لشکر کا

سرگروہ بنا کر بھیجا جاتا ہے جو صلح کا آخری فیصلہ سننے جاتا ہے اور یہ سبائی وہاں عمرو بن عاص پر تلوار سے حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وہ فتنہ پرداز سبائی سردار تھے جنھوں نے اپنی شر انگیزی سے مصالحت اور سمجھوتے کی ہر کوشش ناکام بنائی اور جنگِ نہروان تک دربارِ خلافت کے ممتاز رکن بنے رہے۔

آخر ایک دن آیا جبکہ حضرت علی رضؓ کو دربارِ خلافت کے اِن "لاڈلے بلوائیوں" کے خلاف اپنی شمشیر بے نیام کرنی پڑی۔ اور جنگِ نہروان میں انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانا پڑا۔ اے کاش کہ یہی تلوار خلافتِ علوی کے پہلے روز ہی اِن فتنہ پردازوں کے خلاف میدان میں چمکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو جمل اور صفین کی لڑائیوں میں مسلمانوں کی تلواریں آپس میں نہ ٹکراتیں۔ زبیرؓ اور طلحہؓ مکے نہ پہنچتے۔ عائشہ صدیقہ کو قاتلینِ عثمانؓ کے قصاص کا سوال اٹھانا نہ پڑتا۔ امیر معاویہؓ کو اس قدر خونریزی اور کامیابی حاصل نہ ہو سکتی۔

عثمان رضؓ کے خون کا قصاص اپنے وقت کا وہ اہم ترین مسئلہ تھا جسے اُس وقت کا کوئی ممتاز صحابی اور مسلمان نظر انداز ہوتے گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس سوال کو بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کی ذاتی کشمکش پر قربان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قاتلین عثمان رضؓ کو گرفتار کرنا اور کیفرِ کردار تک پہنچانا خلافت علوی کا مقدس ترین فرض تھا۔ یہ اس سے کہیں زیادہ مقدم تھا کہ دورِ عثمانی کے گورنروں کی معزولی کے فرمان جاری ہوتے۔ وہی لشکر جو عائشہ صدیقہؓ اور امیر معاویہؓ کے مقابلے میں نکلے تھے، اگر عبداللہ ابن سبا، مالک اشتر، عبداللہ بن وہب وغیرہم پر یلغار کرتے تو امیر معاویہؓ کو کبھی یہ جرأت نہ ہوتی کہ دربار

خلافت سے تجربے ؛

بہر حال تاریخ اسلام میں یہ جگر پاش حادثے نمودار ہو کر رہے۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم کا اختلاف جو امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان صفین کے میدان جنگ سے شروع ہوا مسلمانوں کی قومی زندگی میں افتراق و انتشار کے کانٹے ہمیشہ کے لئے بکھیر گیا۔ اسی اختلاف کا دلخراش نقش تھا جو خاک کربلا میں ابھرا اور یہی تھا جس نے مسلمانوں کی قومی زندگی کو صبر آزما تلخیوں سے بھر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز پر خدا کا سلام ہو جس نے ان کانٹوں کو چننے کی قابل قدر سعی کی۔ لیکن یہ ایک عمر بن عبدالعزیز کی طاقت سے کہیں بڑھ کر تھا۔ ان کانٹوں نے عالم اسلام کے چپے چپے پر ایک خارستان اختلاف کو جنم دیا تھا۔ یہ اختلاف مسلمانان عالم کی قومی زندگی کا ایک اہم جزو بن گیا۔ اور مؤرخ کا قلم آج بھی اس کی اہمیت کو قدم قدم پر نگاہوں کے سامنے پاتا ہے ؛

امیر معاویہؓ کا
دورِ حکومت
سنہ ۴۰ھ تا سنہ ۶۰ھ

اجماع و اتحاد کا سال

حضرت علی رضؓ کے دلگداز سانحۂ شہادت کے بعد اہل عراق نے امام حسنؓ کو اُن کا جانشین منتخب کیا۔ ان کے انتخاب کے فوراً بعد امیر معاویہؓ نے عراق پر چڑھائی کی۔ اہلِ عراق کی بے وفائی سے امام حسنؓ کو شکست نصیب ہوئی اور وہ میدانِ جنگ میں زخمی ہوئے۔

امام حسنؓ انتہائی طور پر امن پسند اور اپنے نانا جان کی اُمت کے داخلی امن و اتحاد کے خواہاں تھے۔ جمل اور صفین کی جنگوں میں مسلمانوں کی باہمی جنگ وجدل اور خوں ریزی نے بھی انہیں کافی متاثر کیا تھا۔ انہیں یہ قطعاً گوارا نہ تھا کہ حصولِ امارت کی خواہش مسلمانوں کو خوں ریزی اور فتنہ انگیزی کے جہنم میں دھکیل دے۔ انہیں امیر معاویہؓ کی قوتِ تنظیم اور اہلِ عراق کی بے وفائی کا بھی عملی تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اُمت کے فلاح و امن اور اتحاد کی خاطر اُنہوں نے خلافت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ امام حسینؓ نے اس معاملہ میں اپنے برادرِ بزرگ سے اختلاف

کا اظہار کیا۔ لیکن امام حسنؓ نے انہیں سختی سے ڈانٹا اور خاموش کر دیا۔
امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کی خواہش کا علم جب معاویہؓ کو ہوا۔ تو انہیں بڑی مسرت ہوئی۔ امام حسنؓ اُن کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے، اور امیر معاویہؓ نے ان کی مندرجہ ذیل شرائط کو بطیب خاطر منظور کر لیا۔

۱ اہل عراق کو امن عام دیا جائے۔
۲۔ گزشتہ لڑائیوں کے انتقام کے طور پر کسی شخص پر سختی اور گرفت نہ ہو۔
۳۔ مجھے صوبۂ اہواز کا خراج ملتا رہے۔
۴۔ میرے بھائی امام حسینؓ کو بیس لاکھ درہم سالانہ دیئے جائیں۔
۵۔ عطیہ اور صلہ میں بنی ہاشم دوسروں پر مقدم رکھے جائیں۔

۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو اس مصالحت کی تکمیل ہوئی۔ اُمتِ محمدیہ کا وہ اختلاف جو جمل اور صفین کی لڑائیوں میں فرزندانِ توحید کے خون کے دریا بہا چکا تھا، ختم ہو گیا۔ اب امیر معاویہؓ تمام عالمِ اسلام کے سردار تھے امام حسنؓ کی امن پسندی ابرِ رحمت بن کر چھائی اور اس کے چھینٹوں نے ایک مدت تک فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ٹھنڈا کر دیا۔
امام حسنؓ و امام حسینؓ نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ انہیں اپنی ضروریات کی کفالت کے لئے صوبہ اہواز کا خراج اور بیس لاکھ درہم سالانہ ملنے لگے۔ ساری اُمت ایک علم کے سائے میں کھڑی ہو گئی۔ تاریخ نے اتحاد و امن کے اس سال کو "عام الجماعت" کا نام دیا، اور رسُو

خدا صلعم کی امام حسن رضؓ کے حق میں وہ پیشگوئی کما حقہٗ حاصل تکمیل کو پہنچی جس میں آنحضورؐ نے برسوں پہلے فرمایا تھا کہ :-

"میرا یہ بیٹا (امام حسن رضؓ) سید ہے اور اللہ تعالےٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔"

خوفناک حاکم

امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری اور امیر معاویہؓ کے متفقہ طور پر پورے عالم اسلام کا امیر بن جانے کے باوجود سرزمین عراق پر خوارج کا فتنہ بدستور موجود تھا۔ یہ لوگ اپنے عقائد کی خاطر جان پر کھیل جانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ انتہائی طور پر جانباز اور بڑے سے بڑے لشکر سے ٹکرا جانے میں بے باک تھے۔ ان لوگوں کا خوف سارے عراق پر چھایا ہوا تھا۔ اور بڑے سے بڑا خوف اور ترغیب انہیں اپنے نصب العین سے ادھر یا اُدھر ہونے نہ دیتا تھا +

امیر معاویہؓ ایک صاحب تدبیر سردار اور سیاست دان تھے۔ اُنہوں نے ان لوگوں سے نبٹنے کے لئے اپنے ترکش سے دو بہترین تیروں کی تلاش کی اور پورے غور و خوض کے بعد مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ اور زیاد بن سمیہ کو بصرہ کی حکومت پر تعینات کیا۔ زیاد ایک سخت گیر اور

صاحبِ تدبیر منتظم تھا۔ بصرہ پہنچتے ہی اُس نے ماحول کا جائزہ لیا۔ اُس نے دیکھا کہ بصرہ کے لوگ حد درجہ شریر ہیں۔ نرمی اور رواداری ان کے فتنہ و شر کو اُبھارتی ہے۔ اُس نے اُن کا دماغ درست کرنے کا فیصلہ کیا۔ بصرے کی جامع مسجد میں اُس کی پہلی تقریر" خطبۂ تبیراء" کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ کی تحمید و تقدیس کی تمہید کے بغیر اُس نے صاف اور واشگاف الفاظ میں جو کچھ کہا، اُس کا ملخص حسب ذیل ہے:۔

"احکامِ الٰہی کی پابندی تم لوگوں نے چھوڑ دی، اور عذابِ آخرت کے خوف سے تم سب بے نیاز ہو گئے۔ تمہاری نیکیاں کم اور شرارتیں زیادہ ہیں۔ تم چوریاں کرتے ہو اور ایک دُوسرے کا مال حلال سمجھتے ہو۔ تم میں سے ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے گھر اور قبیلے کے لوگوں کو بُرائیوں سے روکے، ورنہ گنہگار کے عوض میں بے گناہ کو بھی سزا دُوں گا بھاگنے والے کے بدلے میں مقیم کو پکڑوں گا۔ جس کسی کا جس قدر مال چوری جائے، اُس کا میں ضامن ہوں اور مطلع کرتا ہوں کہ کوئی شخص رات کو گھر سے باہر نہ نکلے ورنہ قتل کیا جائے گا۔ جو شخص کسی کا گھر جلائے گا میں خود اُس کو جلادوں گا۔ جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا۔ مَیں اُس کا دِل چیر دوں گا۔ نباشوں کو جو قبر کھود کر کفن چُراتے ہیں، اُسی قبر میں زندہ دفن کر دوں گا۔ جاہلیت

کا کسی قسم کا دعویٰ اگر کسی کی زبان سے سنوں گا، تو اُس کی زبان کاٹ کر پھینک دوں گا۔

جو لوگ میرا حکم مانیں گے میں اُن کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔ مجھ کو یہاں کے بعض لوگوں سے عداوت تھی۔ لیکن انہیں مجھ سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ میں نے اس کو اپنے دل سے نکال دیا ہے۔ جو شخص خیر خواہی کرے گا، میں اُس کا خیر خواہ ہوں، اور جب تک مجھ سے رُوبرُو مقابلے کے لئے نہیں نکلے گا، خواہ دل میں میرا کتنا ہی بدخواہ کیوں نہ ہو میں اس پر گرفت نہیں کروں گا۔ میں کسی کی تنخواہ اور روزینہ بند نہیں کروں گا۔ اور نہ میرا دروازہ کسی کے لئے بند ہو گا۔ ہر حاجتمند میرے پاس جس وقت چاہے، خواہ آدھی رات کیوں نہ ہو، آئے۔ میں اُس کی حاجت کو پورا کروں گا۔"

زیاد کی سخت گیریوں نے بصرے سے فتنہ و فساد کی جڑ اکھاڑ پھینکی۔ رات کو شہر میں کرفیو آرڈر کا نفاذ ہوتا اور حکم ہوتا کہ معیّنہ اوقات میں جو شخص رات کو بازاروں میں ملے اُسے بے دریغ قتل کر دیا جائے۔ اس معاملہ میں کسی غریب الوطن اور مسافر تک سے کوئی رعایت روا نہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ بصرہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے، بچ بچ کر چلتے۔ چوری چکاری کا نام و نشان تک نہ رہا۔ لوگ مکانوں کے دروازے تک کھلے چھوڑ دیتے مسافر

بلا کسی ادنی خوف وخطر کے سفر کرتے۔ غارت گری کا خاتمہ ہو گیا۔ رہزنوں کی روک تھام کے لئے چوکیاں قائم تھیں اور زیاد کا دھڑکا اس حد تک تھا کہ کسی پرندے کو پر مارنے کی مجال نہ تھی۔ سخت گیریوں کے باوجود اُس کے دروازے حاجت مندوں کے لئے دن رات کھلے رہتے۔ وہ ہر مصیبت زدہ اور مظلوم کی پکار براہِ راست سنتا اور ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچاتا۔ ابوالخیر جیسے قابل خوارج کو اُس نے بڑے بڑے عہدے دے کر قابو کر لیا۔ اور باقی خوارج میں یہ جرأت نہ رہی کہ ادنی شورو شر پیدا کر سکیں۔

مغیرہ بن شعبہ کی وفات کے بعد کوفے کی حکومت بھی زیاد کی تحویل میں آئی۔ جامع مسجد کوفہ میں اُس کے خطبے کے دوران میں بعض لوگوں نے سنگریزے پھینکے۔ زیاد اس گستاخی کو کیونکر برداشت کرتا۔ وہ مسجد کے دروازے بند کر کے ایک دروازے پر کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ چار چار آدمیوں کو مسجد سے نکالا جاتا اور سنگریزوں کے بارے میں اُن سے قسم لی جاتی۔ جو قسم اُٹھاتا کہ اُس نے سنگریزے نہیں پھینکے اُسے نجات مل جاتی۔ جو انکار کرتا، اُسے پکڑ لیا جاتا۔ ایسے تیس آدمی نکلے اور زیاد کے حکم سے اُن کے ہاتھ کاٹ دیے گئے۔ کوفے میں زیاد کی ان سخت گیریوں نے اہلِ بصرہ کی طرح کوفیوں کا دماغ بھی درست کر دیا۔ یہ لوگ اپنی بدعہدی اور شرارت میں مشہور تھے، لیکن زیاد کا خوف اُن کے دل و دماغ پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ انہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

اہلِ عراق کی شرپسندی تاریخ اسلام کا ایک مستقل ورق بن جاتا

تھی۔ نرم مزاج حکام اِن لوگوں کے ہاتھوں ہمیشہ تنگ رہتے، اور مُلک کا نظام اُن کی بدعہدیوں اور بدکرداریوں سے ہمیشہ پامال رہتا۔ زیاد پہلا حاکم تھا جس نے اِن لوگوں کی نفسیات کو پوری طرح سمجھا اور سخت گیری سے اُن کا علاج کیا۔ اُس کی سخت گیریوں نے مُلک کے طُول و عرض میں امن کو بحال کیا اور مظلوموں اور مصیبت زدوں کی مشکلات کو ختم کر دیا۔ جہاں ظالموں اور فتنہ پردازوں کے لئے اُس کی حکومت ایک مستقل تہلکہ اور حیرت کا باب تھی، وہاں حاجت مندوں، مظلوموں اور بے کسوں کے لئے اس کے لطف و کرم اور عدل و انصاف کے دروازے کبھی وقت بند نہیں ہوئے۔ ایفائے عہد زیاد کی ایک قابلِ قدر خوبی تھی۔ جس کا اعتراف دوست اور دشمن سب کو یکساں تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زیاد کی سخت گیریاں اکثر اوقات ظلم و ستم کے مناظر بھی پیدا کر دیتی تھیں۔ تشدد کی اس چکی میں امن پسند اور نیک دل عناصر بھی پس جاتے تھے، اور سیاسی مخالفین کی زندگیاں تو انتہائی مصیبت اور مظلومی میں مبتلا ہو گئی تھیں ۔

۵۳ھ میں عراق کا یہ "خوفناک حاکم" طاعون میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا ۔

زیاد کے بعد عبید اللہ ابن زیاد حاکم بصرہ مقرر ہوا۔ اور امیر معاویہؓ کی وفات تک وہ اس منصب پر فائز رہا۔ اُس کا عہد خوارج کے لئے ایک سانحۂ قیامت سے کم نہ تھا۔ ابن زیاد نے اُن پر بے پناہ سختیاں کیں۔ وہ

انہیں بے حساب پکڑتا اور بے دریغ ان کے قتل اور ہاتھ پاؤں کا
کے احکام دینا +

بحر و بر کی معرکہ آرائیاں

اسلامی حکمرانوں میں امیر معاویہؓ پہلے کارفرما تھے انہوں نے
فوجوں کے ساتھ بحری بیڑے اور فوجوں کی تنظیم کی۔ رومیوں کی
چپقلش سے عہدہ برآ ہونے اور اسلامی سلطنت کے استحکام کے
لئے اس پر کافی سے زیادہ توجہ دی۔ ان کے عہد میں کم و بیش
جنگی کشتیاں مکمل سازوسامان سے ہر وقت مسلح رہتی تھیں۔ بحری
کی تنخواہ بھی بری فوجوں کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ جنادہ بن
اُن کے عہد کا مشہور امیر البحر تھا جو سمندر میں رومیوں کو شکست
شکست دیتا رہا +

۴۸ھ میں امیر معاویہؓ نے رومیوں کے مرکز قسطنطنیہ
کا فیصلہ کیا۔ سفیان بن عوف اس فوج کے سپہ سالار تھے
ایک دستے کی کمان کر رہا تھا۔ رسولِ خدا صلعم کی حدیثِ قدسی
تھی جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ :-

"میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہو
اُس کو اللہ نے بخش دیا"

اس لئے حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن
عباسؓ اور حضرت ابوایوب انصاری جیسے بزرگ بھی اس یلغار میں شریک
تھے۔ مجاہدینِ اسلام نے خشکی اور سمندر دونوں اطراف سے حملہ کیا۔ انہوں
نے بڑھ چڑھ کر جانوں کی بازی لگائی لیکن شہر کی مضبوط فصیل، سردی کی
شدت اور رومی تیروں کی بارش کے سامنے وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔
مصر میں مشہور سپہ سالار حضرت عمرو بن عاص کی حکومت تھی۔ ان کے
زمانہ میں شمالی افریقہ میں فتوحات کا سلسلہ برقہ تک پہنچا، اور جب وہ وفات پا
گئے تو عبداللہ ان کے بیٹے جانشین مقرر ہوئے۔ امیر معاویہؓ نے ان کے
بعد میں عقبہ بن نافع کو وہاں کا سپہ سالار مقرر کیا۔ وہ دس ہزار فوج کے ساتھ
بربر پر حملہ آور ہوئے اور ان کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بربری انتہائی
شر پسند لوگ تھے۔ مسلمانوں کے حملے کے وقت وہ مسلمان ہو جاتے، اور
بعد میں پھر راہِ ارتداد اختیار کر کے شورش برپا کر دیتے۔ سپہ سالار عقبہ نے
ان شورشوں کے سدِباب کے لئے قیروان کی فوجی چھاؤنی قائم کی۔ اس
چھاؤنی کے قیام سے امن و امان قائم ہو گیا۔ بربریوں کی اکثریت اسلام میں
داخل ہو گئی اور اس کے بعد اسلام کی روشنی افریقہ کے اندھیروں میں پھیلنے لگی۔
امیر معاویہؓ کے عہد میں مشرق کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ بعض علاقوں
میں بغاوتیں اٹھیں اور سختی سے دبا دی گئیں۔ عبداللہ بن سوار نے جو سندھ
کی سرحد پر متعین تھے، قیقان پر فوج کشی کی۔ اس لڑائی میں انہیں ترکوں
سے نبردآزما ہونا پڑا۔ عبداللہ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد

اس عہد کے شہرۂ آفاق اسلامی سپہ سالار مہلب نے حملہ کیا۔ اور بڑھتے ہوئے مقام بنہ تک پہنچ گئے۔ یہ مقام ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہے۔

یزید کی ولایت عہد کے لئے بیعت

مغیرہ بن شعبہ جہاں ایک دُور اندیش مدبر اور بیدار مغز سیاست داں تھے۔ وہاں بنی امیہ کے ایک مخلص اور سرگرم رفیق بھی تھے۔ کوفے میں ان کی امارت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کو ان سے بہتر امیر نصیب نہیں ہوا۔ اپنی فراست اور دُور اندیشی کی بنا پر مغیرہ ضروری سمجھتے تھے کہ امیر معاویہؓ کے جانشین کا فیصلہ اُن کی زندگی میں ہو جائے انہیں اس خطرے کا احساس تھا کہ اگر اُن کے جانشین کا فیصلہ اُن کی زندگی میں نہ ہوا، تو اُن کی وفات پر خلافت کے کئی دعویدار اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور جمل وصفین کی جن خونریزیوں کا سلسلہ امام حسنؓ کی امن لپ اور خلافت سے دستبرداری نے ختم کر دیا تھا، اُن کا آغاز از سرِ نو ہو جا مسلمانوں کی تلواریں پھر ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گی، اور پتہ نہیں انجام کیا ہو۔

مغیرہؓ کا یہ احساس قابلِ قدر تھی، لیکن اسے بروئے کار لانے کے لئے جو راہ اُنہوں نے تجویز کی، اُس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا اُنہوں نے یزید بن معاویہؓ کو اس امر کی ترغیب دی کہ امیر معاویہؓ کی

ں ہی اُن کی ولایتِ عہد کی بیعت عالمِ اسلام سے لی جائے یزید نے
یر معاویہؓ سے ان خیالات کا اظہار کیا۔ امیر معاویہؓ نے مدینہ، بصرہ، کوفہ
ر مکہ کے ممتاز بزرگوں کی رائے معلوم کرنی چاہی اور اُسے اُن کے حاکمانہ
و اقتدار کا کرشمہ کہیئے کہ سب یزید کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔ امیر
عاویہؓ نے ہر مرکز میں پہنچ کر یزید کے لئے بیعت لی۔ ممتاز اور صاحبِ اثر
سلمانوں میں امام حسین رضؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ
ن زبیرؓ تھے، جنہوں نے اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ عبدالرحمٰن
ن ابوبکرؓ نے اہلِ مدینہ کے بھرے اجلاس میں کہا کہ "تم لوگوں کو اُمت
کی خیر خواہی منظور نہیں۔ تم خلافتِ اسلامیہ کو بھی قیصریت میں تبدیل
کرنا چاہتے ہو!"

مذکورہ اصحاب نے بھی عبدالرحمٰن کے خیالات کی تائید کی لیکن امیر
معاویہؓ نے مختلف ذرائع سے سب کو بیعتِ یزید پر تیار کر لیا۔ یہاں تک کہ
عبداللہ بن عمرؓ نے بھی کہہ دیا کہ "تمہارے بعد جمہور مسلمان جس کسی
کی خلافت پر متفق ہو گئے میں اُس کو تسلیم کر لوں گا۔ اگر ایک حبشی غلام
کو بھی مسلمان خلیفہ بنائیں گے، تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہرگز اختلاف
نہیں کروں گا، اور نہ جماعت کا ساتھ چھوڑوں گا۔"

یکم رجب ۶۰ھ کو امیر معاویہؓ نے وفات پائی۔ یزید کسی مہم کے
سلسلے میں باہر تھا۔ ضحاک بن قیس ان کا کفن ہاتھوں میں لے کر منبر پر چڑھ
گئے اور اسلامیانِ دمشق کو مخاطب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا:-

"معاویہؓ عرب کے سالار — عرب کی طاقت اور عرب کے سرمایۂ افتخار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اُمت کو فتنے سے نجات دلائی۔ انہیں فرمانروا بنایا۔ اور انہیں فتوحات دلائیں۔ آج وہ اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ میرے ہاتھوں میں ان کا کفن ہے۔ اسی میں لپیٹ کر یہ دفن کیے جائیں گے۔ اب وہ ہیں اور اُن کا عمل — دونوں اللہ کے حوالے!"

ضحاک نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق میں ہی وہ دفن کر دیئے گئے۔

عہدِ معاویہؓ کا سرسری جائزہ

تاریخ امیر معاویہؓ کے فہم و فراست، حاکمانہ تدبر، انتظامی قابلیت اور دُور اندیشی کا اعتراف کرتی ہے۔ انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسی عظیم المرتبت اور فضیلت مآب شخصیت سے ٹکرانا پڑا۔ ابن سبا کا خطرناک گروہ جس کا خوف دار الحکومت مدینہ کے در و دیوار پر چھایا ہوا تھا، اُن کے خون کا پیاسا تھا۔ جس وقت وہ عثمانؓ شہید کے خون کے قصاص کا مطالبہ لے کر کھڑے ہوئے، اُن کی حیثیت شام کے صوبیدار سے زیادہ نہ تھی۔ ایک طرف سرحدِ شام پر رومیوں کا خطرہ منڈلا رہا تھا، اور دوسری طرف امیر المومنین حضرت علیؓ ایران، عراق، عرب، مصر اور یمن اور خراسان

اصفہان کی وسیع مملکت سے اُن کے خلاف فوجیں جمع کر رہے تھے۔ اُنہیں امارت شام سے دست بردار ہونے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ خطرات کے پہاڑ تھے جو چاروں طرف سے انہیں گھیرے ہوئے تھے۔ لیکن یہ امیر معاویہؓ کا دم خم تھا کہ ایک دُور اندیش اور صاحب استقلال مدبر کی طرح ان سب کے مقابلے میں اُتر آئے۔ خونِ عثمانؓ کا مطالبہ ایک ایسا مطالبہ تھا، جس کی بنا پر انہیں عالم اسلام کے با اثر طبقے کی حمایت حاصل ہو گئی۔ بساطِ سیاست پر اُنہوں نے پُوری قابلیت سے اپنے مہروں کو حرکت دی۔ عائشہؓ صدیقہ، زبیرؓ بن عوام، طلحہؓ اور عمروؓ بن عاص جیسے زعمائے اسلام جدوجہد کے اس میدان میں ان کے بازو ثابت ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے اور دمشق کا دربار اہلِ علم و فضل کی کثرت کے اعتبار سے دُنیا کا ممتاز ترین دربار بن گیا، اور ایک دن ایسا آیا جبکہ پُورے عالم اسلام کی خلافت پر اُن کا قبضہ تھا، اور عالم اسلام کی وسعتوں میں ہر منبر پر خطبۂ جمعہ میں اُن کا نام گونج رہا تھا۔ دریائے سندھ کے ساحل سے لے کر قسطنطنیہ کی دیواروں تک اور جنوب مغرب میں بحیرۂ روم کی لہروں سے آگے بڑھ کر ان کی حکومت شمالی افریقہ تک پھیل چکی تھی۔ اُن کے حُسنِ انتظام نے اس وقت کی وسیع ترین سلطنت کو پوری طرح امن و امان کے سائے میں رکھا۔ اتحاد اور خوشحالی کی ہوائیں چاروں طرف بہار پیدا کر رہی تھیں۔ سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک برید کا سلسلہ قائم تھا۔ شاہراہوں

کی ہر منزل پر تازہ دم گھوڑ سوار ڈاک کے منتظر کھڑے ہوتے، اور خطوط کے پھیلے سلطنت کے گوشے گوشے میں برق رفتاری سے پہنچا دیئے جاتے۔

امیر معاویہؓ پہلے حاکم تھے جنہوں نے دفتری نظام میں اصلاح پیدا کی، اور دفاتر کے لئے مہر کی ایجاد کی۔

لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود تاریخ امیر معاویہؓ کی اُن کا گزاریوں کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ جنہوں نے خلافت پر حکومت بلکہ قیصریت اور مطلق العنانی کا رنگ مسلط کر دیا۔ اُن کے عہد میں زیاد جیسے حاکموں نے اس قدر سخت گیریوں کا مظاہرہ کیا، اور بصرے کے گلی کوچوں میں قیامِ نظم و نسق کے جوش میں اس قدر خون بہایا، جس کی مثال اس وقت کی اسلامی تاریخ میں قطعاً موجود نہ تھی۔ اس سے قبل ہر مسلمان امیر المومنین تک کو برسرِ منبر ٹوک دیتا تھا۔ لیکن عہدِ معاویہؓ میں بصرے کے کوتوال تک کو اس قدر اختیارات حاصل ہو گئے تھے کہ نمازِ عشاء کے بعد اگر کوئی شخص بھولے سے شہر کے گلی کوچوں میں آ نکلتا، تو بلا جرم اُس کی گردن اُڑا دی جاتی۔ اہلِ عراق کی فتنہ انگیزی کو وجہِ جواز بنا کر اس قتلِ عام کو جاری رکھنا زیاد کا وہ ظلم عظیم تھا، جس کی تائید و تصدیق ضابطۂ اسلام سے کبھی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ہی اس سے امیر معاویہ کو بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

عمرؓ بن عبدالعزیز کی خلافت تک منبرِ رسول سے حضرت علیؓ کو خطبوں میں بُرا بھلا کہہ کر اہلِ بیت اور شیعانِ علیؓ کی جو دل آزاری

امیر معاویہؓ کے عہد سے جاری رہی، اُسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ بے مقصد اور افسوسناک رسم قائم کر کے کیوں حتمی فرض کے درجے تک پہنچا دی گئی۔ یہ سب کچھ خلافت کے عہدیدار کے شایانِ شان ہرگز نہ تھا۔

اِن کارگزاریوں کے علاوہ امیر معاویہؓ نے اپنی وفات سے قبل یزید کی ولایتِ عہد کے لئے جو بیعت لی، وہ ایک ایسا اقدام ہے جو آج بھی مؤرخ کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹکتا ہے۔ امیر معاویہؓ نے خلافت کو اپنے خاندان کے لئے محفوظ کر کے نہ صرف خلافت کی حقیقی روح کو کچل دیا۔ بلکہ سچی اسلامی جمہوریت کی بنیادیں بھی اکھاڑ پھینکیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی آنے والی نسلوں کو مذکورہ کارگزاریوں کے تلخ نتائج سے قدم بقدم دوچار ہونا پڑا۔ امیر معاویہ کے اِس اقدام نے فتنہ و فساد کا ایسا بیج بو دیا، جس کے کانٹے آج تک ختم نہ ہو سکے۔ اُنہوں نے خاندانی عصبیت کے پیشِ نظر یزید کو وہ اہمیت دے دی جو اسلام کے جمہوری نظام کے لئے ایک رِستا ہوا ناسور ثابت ہوئی۔ شہنشاہیت کے فتنہ نے پھر سر اُٹھایا اور بدترین انسان حکومت اور خلافت کی مسندوں پر جانشین ہونے نظر آنے لگے۔ اس سے انکار کرنا مشکل ہے کہ دُنیائے اسلام میں اِن تمام فتنوں کا مبداء یزید کی خلافت تھی۔ اور امیر معاویہؓ جیسا جلیل القدر صحابی اس کا بانی تھا۔

ریگ زارِ کربلا کا جگر پاش حادثہ

وفات سے قبل امیر معاویہؓ نے ضحاک بن قیس اور مُسلم بن عقبہ سے یزید کے لئے جو وصیّت نامہ لکھوایا، اُس کا ملخّص حسبِ ذیل ہے:-

"میں نے تیرے لئے تمام راہیں ہموار کر دیں۔
اہلِ عرب کو تابعِ فرمان اور دشمنوں کو مغلوب بنا دیا۔
اہلِ حجاز کا خیال رکھنا۔ کیونکہ حجاز ہمارا گہوارا ہے۔
اور اہلِ عراق اگر ہر روز کسی عامل کی برطرفی کا مطالبہ کریں، تو اُسے مان لینا۔ یہ اس سے کہیں آسان ہوگا کہ ایک لاکھ تلواریں تیرے خلاف میان سے باہر آئیں۔
اہلِ شام پر نظر رکھنا، یہ تیرے وفادار اور مددگار ہیں۔
دشمنوں کے مقابلے میں انہیں سے کام لینا اور جب یہ کہیں باہر بھیجے جائیں، تو فارغ ہوتے ہی واپس بلا لئے جائیں۔ ورنہ ان کے اخلاق کے بدل جانے کا اندیشہ ہے۔

"خلافت کے معاملے میں بجز چار شخصوں کے مجھے اور کسی کا خوف نہیں کہ وہ تیرے مقابلے میں آئے۔ عبداللہ بن عمرؓ، حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن

ابی بکرؓ۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ عبادت گزار اور دُنیا سے
بیزار ہیں۔ جب سارے لوگ بیعت کر لیں گے، تو وُہ بھی
اُن کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ حسینؓ ابن علیؓ سبک مزاج
ہیں۔ اہلِ عراق انہیں ضرور مقابلے پر اُکسائیں گے۔ اگر
ایسا ہو، اور تجھے اُن پر دسترس حاصل ہو تو درگزر
کرنا۔ کیونکہ وہ ہمارے قریبی اور نبی صلعم کے نواسے
ہیں۔ اُن کا ہمارے اُوپر بہت بڑا حق ہے۔ جو شخص
لُومڑی کی طرح چکمے دے گا اور شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ
عبداللہ ابن زبیرؓ ہے۔ اُس پر قابو پاؤ، تو بوٹی بوٹی کاٹ
ڈالنا۔ دیکھو جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنا کہ اُمت
کا خون نہ بہنے پائے۔

یزید نے خلافت سنبھالتے ہی ولید بن عتبہ والیٔ مدینہ کو لکھا کہ
عبداللہ بن عمرؓ، حسینؓ ابن علیؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ
(عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ وفات پا چکے تھے) چاروں کو طلب کرو۔ اور ذرا بھی
مہلت کے بغیر ان سے بیعت لو۔

ولید نے سب سے پہلے حسین ابن علیؓ کو بلایا اور یزید کا خط دکھا
کر بیعت کی درخواست کی۔ امام حسینؓ نے امیر معاویہؓ کے انتقال کا سُن
کر سب سے پہلے اُن کے حق میں دعائے خیر کی، اور پھر فرمایا "مجھ جیسا
آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا۔ جب دوسروں کو بلاؤ گے، تو میں بھی

اپنا عندیہ پیش کر دوں گا۔" امن پسند ولید ان الفاظ سے مطمئن ہو گیا۔ اگلے روز عبداللہ ابن زبیرؓ اور اس کے بعد امام حسینؓ مکہ روانہ ہو گئے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے اجماعِ امت کی خاطر یزید اول کی بیعت کر لی۔

اہلِ کوفہ کی افتراق انگیزیاں اور عہد شکنیاں تاریخ اسلام کا ایک مستقل جزو رہی ہیں۔ امیر معاویہؓ کی وفات پر انہوں نے یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور امام حسینؓ کو خلافت کی پیشکش کی پیشکش کے سلسلے میں کم و بیش ڈیڑھ سو خطوط موصول ہونے پر انہوں نے مسلم بن عقیل کو صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے کوفے کو روانہ کیا۔ کوفہ پہنچ کر مسلمؓ نے اہلِ کوفہ کا بے پناہ جوشِ عقیدت دیکھا اور انہیں امام حسینؓ کی بیعت کے لئے بے قرار دیکھ کر مکے میں خط لکھا کہ جلدی کوفے پہنچیں۔

دربارِ خلافت کی طرف سے نعمان بن بشیر حاکم کوفہ چلے آ رہے تھے۔ جب یزید کو یہ رپورٹ ملی کہ نعمان کی نرم مزاجی اور رواداری سے مسلمؓ کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے، تو اس نے اِرد گرد نظر ڈالی، اور نعمان کو معزول کر کے عبداللہ ابنِ زیاد کو کوفے کا گورنر مقرر کر دیا۔ عبداللہ ابن زیاد ایک خوفناک حاکم تھا، اور اس نے کوفے پہنچ کر جو اعلان کیا وہ حسب ذیل ہے:-

"میں فرمانبرداروں کے حق میں مہربان اور فتنہ پردازوں کا جانی دشمن ہوں۔ ہر رئیسِ محلہ اپنے محلہ والوں کی فہرست مہیا کرے، اور جو اجنبی خارجی یا مشکوک آدمی ملے اُسے

سلوک وحشت اور بربریت کا اس قدر ظالمانہ شاہکار ہوگا۔ مرحوم باپ کی تحریری وصیت اُس کی نگاہوں کے سامنے کانپ رہی تھی :-

"اہلِ عراق کے اکسانے پر حسینؑ اگر تمہارے مقابلے میں آئے اور تم اُس پر دسترس پاؤ تو درگزر سے کام لینا، کیونکہ وہ ہمارے قریبی اور نبی کریم صلعم کے نواسے ہیں۔ اُن کا ہم پر بہت زیادہ حق ہے . . . . جہاں تک ممکن ہو، کوشش کرنا کہ اُمت کا خون نہ بہنے پائے"۔

یزید پکار اُٹھا : "بدبختو! تمہاری اطاعت سے میں حسینؓ کے قتل کئے بغیر بھی راضی تھا۔ ابن زیاد پر خدا کی لعنت ہو۔ اُس کی جگہ اگر میں ہوتا تو درگزر سے کام لیتا"۔

اُس نے اہلِ بیت کے ستم رسیدہ قافلے کو انتہائی عزت اور احترام سے اپنے محلات میں اُتارا۔ مظلومی کا یہ رنگ دیکھ کر شاہی محلات سے چیخوں اور کراہوں کا وہ شور بلند ہوا، جو تین دن جاری رہا۔ تیسرے روز یزید نے سب کو انتہائی اعزاز سے رخصت کیا۔ فوج کا ایک دستہ ساتھ کیا، اور التجا کی کہ مدینے میں جب بھی کوئی ضرورت درپیش ہو بے دریغ اُسے لکھو۔

مدینے پہنچ کر امام زین العابدین نے آخری وقت تک مرکز سے وفاداری اور امن پسندی کا ثبوت دیا۔ وُہ ابن زبیر اور مختار ثقفی کی بغاوتوں اور ہنگامہ آرائیوں سے جو حادثۂ کربلا کے انتقام کے نام پر یا بنی اُمیہ کی خلافت کو ملیامیٹ کرنے کے لئے برپا ہوئیں قطعاً الگ رہے۔ اُنہوں نے دربارِ

خلافت میں بھی لکھا کہ " میرا ان ہنگامہ آرائیوں سے کوئی تعلق نہ سمجھا جائے"
دربارِ خلافت نے بھی اُن کا احترام ملحوظ رکھا ، اور بیت المال سے اُن کی
ضروریات پوری فیاضی سے پوری کی جاتی رہیں *

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حسینؓ تازہ دِہ کوفہ و شام و خویش را

اقبالؒ

A fine book for readers.

A good
book to read.

Gandaly [?]
17/8/91

پکڑ کر میرے پاس لائے۔ جس محلّے سے کوئی باغی پکڑا گیا، اُس کے رئیس کو محلّے کے دروازے پر پھانسی دی جائے گی"۔

حضرت مسلمؓ نے اس خطرناک ماحول میں ابنِ زیاد سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والوں میں سے صرف چار ہزار اُن کے ہمرکاب ہوئے، اور اُنہوں نے "یا منصور" کے فلک شگاف نعروں میں دارالامارۃ کا محاصرہ کر لیا۔ ابنِ زیاد کی ہدایت پر رؤسائے کوفہ باہر نکلے اور جب اُنہوں نے اپنے اپنے قبیلے کے محاصرین کو ڈرایا دھمکایا تو وہ مسلمؓ کو چھوڑ کر گھروں کو رخصت ہونے شروع ہو گئے اور جب صرف تیس آدمی باقی رہ گئے تو مسلمؓ کو ہانی کے گھر پناہ لینی پڑی۔ ابنِ زیاد نے ہانی اور مسلمؓ کو گرفتار کر لیا اور دونوں کو قتل کرا دیا۔ حضرت مسلمؓ کے دو لڑکے بھی جو اُن کے ساتھ تھے شہید کر دیئے گئے۔

اِدھر کوفے میں یہ کچھ ہو رہا تھا، اور دُوسری طرف امام حسینؑ، حضرت مسلمؓ کے اُمید افزا خط کو پڑھ کر سفرِ کوفہ کی تیاری کر رہے تھے۔

امام حسینؑ کے ارادوں سے آگاہ ہوتے ہی حلقۂ احباب نے اُنہیں کوفہ جانے سے روکا۔ عبدالرحمٰن بن حارث اور عبداللہؓ ابن عباس جیسے مخلص ترین بہی خواہ دوستوں نے بھی مسلسل کوششیں کیں۔ لیکن اہلِ کوفہ کی بیعت کا دلنواز تصوّر امام حسینؑ کو عزمِ کوفہ سے نہ روک سکا۔ وہ سب کے ہمدردانہ مشوروں کو ٹھکراتے ہوئے اہل و عیال سمیت روانہ ہو پڑے۔ مشہور عربی شاعر فرزدق انہیں کوفے سے آتا ہوا راہ میں ملا۔ اور اُس نے صاف صاف الفاظ میں حضرت امامؑ سے کہا کہ "میرے ان الفاظ کو یاد رکھیئے گا کہ اہلِ کوفہ کے دل آپ کے

ساتھ ہیں لیکن اُن کی تلواریں بنی اُمیّہ کے حق میں بلند ہوں گی۔"

آگے بڑھے تو مدینے کا برق رفتار قاصد ملا، اور اُس نے انہیں عبداللہ بن جعفر اور والیٔ مدینہ کے دو خط پیش کیے۔ والیٔ مدینہ نے یقین دلایا تھا، کہ "آپ مدینے میں آ کر رہیں۔ کوئی آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔" ابنِ جعفر نے ہمدردی کے انتہائی جوش میں لکھا تھا کہ "اہلِ کوفہ آپ کو یقیناً دغا دیں گے آپ کو خدا کی قسم کہ جیسے بھی ہو راہ سے پلٹ آیئے!"

چند منزل آگے عبداللہ بن مطیع کا سامنا ہوا۔ وہ عراق سے مدینہ جا رہے تھے۔ امام حسینؓ کو دیکھتے ہی انہوں نے کہا — "میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ واپس چلیے اور اہلِ عراق کے دامِ فریب میں نہ آیئے۔ بنی اُمیّہ سے اگر آپ نے خلافت لینے کی کوشش کی تو وہ یقیناً آپ کو قتل کر ڈالیں گے اور پھر اس کے بعد ہر ہاشمی، ہر عرب اور ہر مسلمان کے قتل کا دروازہ کھل جائے گا۔ آپ نہ صرف اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کر رہے ہیں، بلکہ آپ کے بعد قریش کی حرمت، عرب کی حرمت اور اسلام کی حرمت بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

دنیا داروں اور بہی خواہوں کے اخلاص بھرے مشورے شیرِ خدا کے مجاہد فرزند کو کوفے کی طرف بڑھنے سے روک نہ سکے۔ اہلِ کوفہ کے زور پر یزید سے خلافت چھیننے کا عزم اور جوش انہیں برابر ایک خطرناک منزلِ مقصود کی جانب بڑھائے چلا جا رہا تھا۔ اہلِ کوفہ پر اُن کا اعتماد بدستور قائم تھا اور اس راہ میں وہ بڑے سے بڑے خطرے کو پرِ کاہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ وہ بڑھتے جا رہے تھے یہاں تک کہ ثعلبیہ کے مقام پر انہیں مسلم بن عقیل

کی شہادت کی جانکاہ اطلاع ملی۔ اہلِ کوفہ کی پے در پے دعوتوں، مسلمؓ کے پُرجوش خیر مقدم، ہزارہا کوفیوں کی ان کے ہاتھ پر بیعت، مسلمؓ کے امید افزا خط کے بعد اُن کا یہ دردناک انجام اُن کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

حسینؓ کے قدم کچھ دیر کے لئے سرِ منزل رُک گئے۔ انہیں اپنی منزل کے خطرات کا پہلی دفعہ احساس ہوا۔ قافلے کے اکثر ساتھی جُدا ہونے شروع ہوئے اور اُنہوں نے واپسی کے متعلق پہلی دفعہ سوچا۔ لیکن مسلمؓ شہید کی رُوح کی پکار اُن کے کانوں سے ٹکرائی، اور دوسری طرف بنی عقیل نے پکارا کہ "ہم اب واپس نہیں لوٹ سکتے یا تو مسلمؓ کا انتقام لیں گے، یا پھر اسی راہ میں جان دے دیں گے۔" واپس لوٹنا اب بزدلی اور ذلت کے مترادف تھا اس لئے بچا کھچا مختصر قافلہ آگے بڑھا اور مقام اشراف پر انہیں حُر بن یزید تمیمی ایک ہزار کے دستے کے ساتھ نظر آیا۔

حسینؓ نے حُر کے مطالبے پر صاف کہہ دیا کہ وُہ ابنِ زیاد کے سامنے پیش ہونے کی بجائے موت کو ترجیح دیں گے۔ وہ شمال کی طرف بڑھے۔ حُر کی فوج ساتھ ساتھ تھی۔ نینوا کے مقام پر عمر بن سعد کا لشکر پہنچا اور پھر شمر ذی الجوشن کا دستہ۔

امام حسینؓ نے واپسی پر آمادگی ظاہر کی، اور جب ابن زیاد کو اطلاع پہنچی، تو اس نے ابنِ سعد کو لکھا۔ "ہمارے پنجے میں آجانے کے بعد واپسی ممکن نہیں۔ اگر بیعت یزید پر رضامند نہیں تو ان کا پانی بند کر دو اور چاروں طرف سے گھیر لو۔" امام حسینؓ نے سرحد پار چلے جانے کی اجازت طلب

کی۔ لیکن ابن زیاد سے یہ توقع بھی پوری نہ ہو سکی۔ اس نے لکھا کہ "میرے حکم کی تعمیل اٹل ہے، اور اس کے سوا کوئی دوسرا رستہ نہیں"۔

حسینؓ نے بیعتِ یزید پر عزت کی موت اور سرفروشانہ شہادت کو ترجیح دی۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ابنِ زیاد کے لشکر سے ان کا ٹکراؤ ہوا۔ وہ اپنے جاں نثاروں سمیت مردانہ وار میدان میں نکلے اور انتہائی شجاعت و مردانگی کے ساتھ لڑے۔ چند گھنٹوں کی معرکہ آرائی نے لڑائی کا فیصلہ کر دیا۔ خاندانِ رسالت مآب کا مقدس خون ریگ زارِ کربلا میں بہ گیا۔ گلشنِ فاطمہؓ کے مسکراتے ہوئے پھول کمال بے دردی سے مسل دیئے گئے۔ علی بن حسینؓ زین العابدین کے سوا حضرت علیؓ کی ساری اولاد خاک و خون میں نہا گئی۔ سسکتے ہوئے ننھے اصغر کی "العطش" کی پکار کا جواب اہلِ ظلم کے سنسناتے ہوئے تیر سے ملا جو گلے سے پار ہو گیا، اور گلشنِ اہلِ بیت کا یہ غنچہ کھلنے سے پہلے ہی مرجھا کر رہ گیا۔

حسینؓ کا سر مبارک نیزے پر تھا اور ان کا حرم لشکرِ یزید کی قید میں۔ وہ فتح کا نقارہ بجاتے ابنِ زیاد کے پاس پہنچے اور اس کے بعد زندانیوں کا یہ مظلوم کارواں جن کی بے بسی پر ستاروں کی انجمن بھی خون کے آنسو رو رہی تھی، دمشق میں دربارِ یزید کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

آنسوؤں اور آہوں بلکہ چیخوں اور کراہوں کے طوفان میں ملت کا یہ مقدس ترین اور لٹا ہوا قافلہ جب یزید کے دربار میں داخل ہوا، تو سارے دربار میں حسرت و یاس کا سناٹا چھا گیا۔ حسینؓ کے سر کو نیزے پر دیکھ کر یزید کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ نکلے۔ اس کے تصور میں بھی نہ تھا کہ ابنِ زیاد کا

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیل

داستانِ حرم

از

ابو شوکت صفدر سلیمی

ناشر

قومی کتب خانہ۔ ریلوے روڈ۔ لاہور